بے منزل راستہ

مختار لوبیس

ترجمہ : منصورہ احمد

بے منزل راستہ

مختار لوبس

ترجمہ: منصورہ احمد

مشعل

آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.org

تعارف

مختار لوبس انڈونیشیا کے معروف ترین صحافیوں میں سے ہیں۔صحافت ہی کیا، کسی بھی لحاظ سے انہیں ایک ممتاز شخصیت قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ ۱۹۲۰ء میں وسطی سماٹرا کے علاقے فنان کباؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین کا تعلق سماٹرا کے باتک قبیلے سے تھا جو اپنی آزادی روح اور راست بازبیباکی کے لئے مشہور تھا۔

سات سے تیرہ برس کی عمر تک سکول کی تعلیم مکمل کی پھر انہوں نے تین برس تک ایک بزنس کالج میں پڑھا۔ اس کے بعد کی ساری حیرت انگیز تعلیم سراسر ذاتی ہے۔ ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ انہوں نے انڈونیشی صحافت میں اپنا مقام پیدا کر لیا تھا۔ ان کی ساری جسمانی اوراخلاقی صلاحیتیں جمہوریت کے لئے وقف تھیں۔ایک روایت یہ ہے کہ اس سال ولندیزی فوجوں کے انڈونیشیا آنے کے بعد ان کے حامی سپاہی اس کے مضامین سے ناراض ہوکر اسے مارنے اس کے دفتر آدھمکے تھے۔ وہاں جا کر انہیں پتہ چلا کہ چھ فٹ لمبا لوبس ان سے مقابلہ کرنے اور انہیں دروازے سے باہر پھینکنے کو بہت کافی تھا۔

لوبس نے بے شمار سفر کئے۔ اپنی گرفتاری سے پہلے کے دس برس میں انہوں نے ملایا، برما، ہندوستان، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، فلپائن، امریکہ، جاپان، کوریا اور آسٹریلیا کا دورہ کیا۔ اس سفر نے انہیں ایک طرح بین الاقوامی شہری بنا دیا۔ اس پر مستزاد ان کا بے شمار زبانوں کا علم ہے۔ انہیں انگریزی، ولندیزی، فرانسیسی، ہسپانوی، جرمن اور جاپانی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔صحافی کی حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ان کی مدیرانہ ذمہ داریوں کے تنوع سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایک ہی وقت میں وہ ایک روزنامہ اخبار کے ایڈیٹر ایک ماہنامے کے مدیر، ایک ہفت روزے کے پبلشر اور ''سیاست'' نامی ایک ہفت

روزے کے ثقافتی سپلیمنٹ کے معاون تھے۔ بہرحال ۱۹۵۶ء میں اپنے گھر میں اپنی پہلی نظر بندی تک ان کی شہرت جکارتہ کے روزنامہ ''انڈونیشیا رایا'' کے حوالے سے ہی تھی۔ یہ اخبار سماجی مسائل پر اپنی کڑی تنقید کے لئے مشہور تھا۔ اس زمانے میں ان کا سب سے اہم مضمون وہ تھا جس میں ۱۹۵۰ء میں ہارٹینی سے سوئیکارنو کی دوسری خفیہ شادی کا انکشاف تھا، ان کے مضمون کا نتیجہ سوئیکارنو کے خلاف احتجاجی جلوسوں کی صورت میں نکلا۔ جس میں خواتین کی تنظیمیں پیش پیش تھیں۔ اس وجہ سے لوبس سوئیکارنو کی لازوال نفرت کا سزاوار ٹھہرا۔

حالانکہ بیرون ملک ان کی زیادہ شہرت بطور صحافی کے ہے لیکن دراصل وہ صحافی سے آگے بھی بہت کچھ ہیں۔ ان کی دلچسپیاں لفظ کے محدود مفہوم میں صرف ''سیاسی'' نہیں ہیں ان کا اصل مسئلہ تو انسان کا بطور انسان کے وقار کا حصول ہے۔ یہی ان کی سب تحریروں، تخلیقی مصروفیات و تراجم اور ثقافتی سرگرمیوں کی روح ہے۔

ان کا بہترین میدان ''کہانی'' ہے جس میں انکا باریک مشاہدہ اور ہیئت کی چابکدستی بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کی طنزیہ کاٹ انڈونیشی صورت حال کو اس طرح عالمگیر بنادیتی ہے کہ وہ دنیا بھر کے انسانوں کی حماقتوں اور کم ہمتی کی داستان لگنے لگتی ہے۔ وہ سوفٹ کی روایت کے نمائندہ ہیں، اسی کی طرح سخت چبھتا ہوا اور جنگ جویانہ اور ایمانداری کے ساتھ بددیانتی کے افشا میں بے رحم قلم ہے۔ ان کی ان صلاحیتوں کا بہترین استعمال ان کی انگریزی کتاب Twilight in Jakarta میں ہوا، جو انہوں نے جیل میں لکھی۔ جیل سے ہی یہ مسودے کی صورت میں انڈونیشیا کے باہر سمگل کر دی گئی۔ ۱۹۶۳ء میں اسے ہوچنسن نے انگلستان میں شائع کیا اور اگلے برس وین گارڈ پبلشرز نے امریکہ سے چھاپا۔ فنی امنگ اور ولولے سے لکھی گئی اس کتاب میں آج بھی روز اول جیسی تاثیر موجود ہے یہ اپنے عصر کی مسحور کن عکاسی ہے، جو ہمیں انڈونیشی سیاست میں آزاد جمہوریت کے آخری برسوں میں مختلف مدارج پر بددیانتی اور مایوسی کی واضح تصویر دکھاتی ہے۔ ۱۹۵۴ء.....۱۹۵۵ء میں انہوں نے ''انڈونیشیا رایا'' کی ادارت کرتے ہوئے جو قلمی جہاد شروع کیا تھا، کتاب میں اس کو آگے بڑھایا ہے اور بدی کی ان طاقتوں کی نشاندہی کی ہے جو جراثیم کی طرح معاشرے کے جسم میں سرایت کر رہی تھیں۔ لوبس نے

بتایا کہ کس طرح عقل وخرد کو ۱۹۵۲ء میں ہی ''بے منزل سفر'' لکھ کر لوبس نے ادب میں اپنا مقام پیدا کر لیا تھا۔

انڈونیشیا میں ادب کے فروغ کی داستان بھی ایک رزمیہ جیسی ہے۔ بھاشا انڈونیشیا، انڈونیشیا کی قومی زبان ہے اور مالے زبان کی جدید صورت، وہ ۱۹۲۸ء تک کوئی واضح شکل اختیار نہ کر سکی تھی، حالانکہ مالے زبان کی معلومہ تاریخ ہزار برس پرانی ہے۔ ۱۹۳۰ء سے یہ ایک ادبی اور تخلیقی زبان کے طور پر استعمال ہونا شروع ہوئی لیکن اس کا اصل فروغ ۱۹۴۲ء میں جاپانی قبضے سے ہوا جب انڈونیشی ادیب نے جدید انسان کے بنیادی مسائل کی طرف توجہ کی۔ ایک ہی جھٹکے سے ولندیزی ایسٹ انڈین معاشرے کا ڈھانچہ زمین بوس ہو گیا۔ ولندیزی گھروں اور لائبریریوں کی لوٹ مار سے ایک اثر یہ پڑا کہ لائبریریوں میں بند علم و ادب اور خیالات کا خزینہ عام لوگوں تک بھی پہنچا۔ دوسری طرف انڈونیشی ادیبوں اور دانشوروں کے چھوٹے سے گروہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ان کے گرد و پیش میں صرف مایوسی رہ گئی اور انسانیت کی ایک لاوارث شکل۔ اس جھٹکے نے ادیبوں کی ایک نئی کھیپ تشکیل دی جن میں سے کچھ کو بعد میں ''۱۹۴۵ء کی نسل'' کا نام دیا گیا۔ ان کا سرخیل علامت نگار شاعر شارل انور تھا۔ ۱۹۵۰ء میں ان سب نے اپنے منشور کا بہت موثر اعلان اس طرح کیا۔

''ہم ساری دنیا کے تمدن کے جائز وارث ہیں۔ ایک تمدن جسے ہم اپنے انداز سے فروغ دیں گے اور پھیلائیں گے۔ ہم عام انسانوں کے ہاں پیدا ہوئے اور ہمارے لئے یہی اصطلاح حوالہ ہو گی جس کی بنیاد پر ہم سوچ اور اظہار کی نئی صحت مند دنیائیں تشکیل دیں گے۔

ہماری خاکستری جلد، سیاہ بال اور نیچے کے رخ جھکی رخسار کی ہڈیاں ہمیں انڈونیشی نہیں بناتیں بلکہ ہماری سوچ اور کردار ہماری شخصیتوں کے بنیادی عناصر ہیں۔

ہم ایک نام دے کر اپنی انڈونیشی ثقافت کو محدود نہیں کرنا چاہتے۔ اس کی قدامت کو فخر کا وسیلہ بنا کر مطمئن نہیں ہونا چاہتے بلکہ اسے ایک نئی اور توانا چیز کی حیثیت میں دیکھتے ہیں۔ اب انڈونیشی تمدن گلوب کے ہر کونے سے اثبات اور طاقت حاصل کرے گا ہم اپنی غلط قدروں کی اصطلاح کے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کی سختی سے

مخالفت کریں گے۔

ہمارے لئے انقلاب کا اصل مقصد پرانی اور دیمک خوردہ قدروں کو ختم کرنا اور ان کی جگہ نئی قدروں کو تشکیل دینا ہے۔ یہ مقصد پورا نہ ہونے تک ہمارا انقلاب ادھورا ہے۔ ہوسکتا ہے ہماری منزلیں ہمیشہ انوکھی نہ ہوں، لیکن ہماری بنیادی تلاش انسانیت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اپنے مطالعے، تجربے اور خوابوں میں ہماری اپنی خوبیاں بھی شامل ہوں گی اور اپنے گردوپیش کے لوگوں کے حوالے سے ہم آرٹسٹ اور معاشرے کے باہمی ربط سے آگہی رکھنے والوں کی طرح زندہ رہیں گے۔''

اظہار کا یہ وقار اور انقلاب کے ابتدائی دنوں میں پیدا ہونے والے شونزم کی مخالفت بہت سے ان غیر ملکی دانشوروں کو اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ جنہوں نے دراصل ۱۹۴۵ء کے بعد انڈونیشیا کو دریافت کیا۔ مختار لوبس اظہار کی اس روایت سے منسلک تھے۔

بدقسمتی سے یہ ایک ایسی روایت ہے جو ۱۹۵۵ء تک اپنی توانائی ختم کر بیٹھی۔ ملک کی تیز رفتار اقتصادی پامالی، توقعات کی شکست اور مغربی نیوگنی کی ملکیت کے دعوے کے ساتھ منسلک مکمل طور پر تباہ کن جذبات زدگی نے، جس کی رفتار میں اضافہ ہو رہا تھا، عالمگیر انسان دوستی کو غیر ضروری قرار دے دیا تھا اور قدیم روایات کے ملبے پر نئی دلچسپیوں کی تعمیر ہو رہی تھی۔ سوشلسٹ حقیقت پسندی، فن برائے معاشرہ، ادب برائے عوام اور ''فن ایک کلہاڑے اور ایک ڈبری کس کی طرح کا ایک آلہ ہے'' کے سے مقولے مقبول ہو رہے تھے۔ یہ عشرہ گزر رہا تھا تو انتہا پسند قومیت پرستی اور کمیونسٹ پارٹی نے اس ادب کو جو سیاسی سے زیادہ انسان دوستی کا پرچار کرتا تھا، مدافعت پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۴۳ء میں شارل انورتک کی شاعری کی اس بنا پر مذمت کی جانے لگی کہ وہ وجودیت کی اخلاقیات کی علم بردار ہے اور اس میں غیر سیاسی وسیع المشربی کا زاویہ نظر موجود ہے۔ ان تمام سختیوں کی موجودگی میں بہت سے ادیبوں نے تخلیقی کام کو ناممکن قرار دے دیا اور دوسرے ادیب متنوع سچائیوں کی قدریں نمایاں کرنے لگے اور سیاسی مقاصد کے لئے لکھنے لگے۔

لوبس ان لوگوں میں سے تھے جن کا اعتماد پختہ ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے ادب نویسی کو ترک کر دیا مگر وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ انڈونیشیا کی اقدار کے

MashalBooks.org

معیاروں میں سرایت ہونے والے زہر سے نبرد آزما رہے۔ ۵۶.....۱۹۵۷ء میں انہیں ایک ماہ کے لئے قید کر دیا گیا۔ پھر اپریل ۱۹۵۱ء تک انہیں اپنے گھر میں مقید رکھا گیا۔ بعد میں وہ رہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تل ابیب میں انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ کی دسویں جنرل اسمبلی میں شامل ہوئے۔ اگرچہ انہیں وہاں خبردار کر دیا گیا تھا کہ انڈونیشیا میں واپسی پر انہیں پھر گرفتار کر لیا جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اپنے وطن میں پریس کی پابندیوں پر شدید تنقید کی تھی، مگر انہوں نے واپس آنا اپنا فرض سمجھا۔ واپسی پر انہیں فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۶۶ء میں سوائیکارنو کے زوال تک انہیں نظر بند رکھا گیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے اپنا ذہنی توازن برقرار رکھتے ہوئے، قید کی مدت کیسے برداشت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے پاس ایک خفیہ ہتھیار تھا یعنی ان کی بیوی حالی۔ اس نے ثابت قدمی سے اخلاقی امداد مہیا کی تھی اور لایون میں جہاں انہیں محبوس رکھا گیا تھا، وہاں وہ طویل سفر طے کر کے ان کے پاس آتی رہی ان کی خوراک کا بندوبست کرتی رہی، ان کے دو بچوں کے بارے میں بتاتی رہی اور باہر کی دنیا کی بابت مطلع کرتی رہی۔ انہوں نے انقلاب کے ان ابتدائی ایام میں ایک خواب دیکھا تھا ایک نظریہ اختیار کی اتھا اور یہ وہی خواب، وہی نظریہ تھا جو انہیں قوت بخشتا رہا اور یہ سب کچھ ''بے منزل سفر'' میں محفوظ کر دیا گیا۔

ناول کی کہانی کا زمانہ وہ ہے جب ۱۹۴۶ء میں ولندیزیوں نے برطانوی نگرانی اور لنگار جاتی معاہدے (انڈونیشیا کی ریاست ہائے متحدہ اور نیدرلینڈ.....انڈونیشیا یونین کی تخلیق) کی خلاف ورزی کی جو پہلا پولیس اقدام کہلاتی ہے۔ مرکزی کردار عیسیٰ کا ہے جو ایک سکول ٹیچر ہے وہ ایک نرم خو، سیدھا سادا انسان ہے جو جاپانی قبضے کے مصائب سے گزرا ہے اور اب ولندیزیوں کی طرف سے برطانوی وقفہ حکمرانی کی وجہ سے چکرا گیا ہے۔ عیسیٰ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کی ذمہ داری کیا ہے۔ وہ کچھ دیر کے لئے یہی طے نہیں کر پاتا کہ وہ کہاں سے پلٹے۔ اس کے مقابلے میں پرجوش انقلابی حاصل ہے جو اپنے نظریوں اور عقیدے کے بارے میں روانی سے بول سکتا ہے اور جس کا اصول اپنے مقصد کے ساتھ وفا ہے۔ ان بظاہر دو متضاد کرداروں کو موسیقی متحد کرتی ہے۔ وائلن اس زمانے سے انڈونیشیا میں مقبول ہے جب سولہویں صدی میں پرتگالی ثقافتی اور سیاسی اثرات نے

مجمع الجزائر کو متاثر کرنا شروع کیا تھا۔عیسیٰ اور حاضل دونوں ایک ہی ساز کو پسند کرتے ہیں اور حاضل تو ماہر موسیقی بھی ہے۔

دونوں کے درمیان عیسیٰ کی بیوی فاطمہ کا کردار ہے۔شادی کے چھ ماہ بعد سے ہی عیسیٰ نامردی کا شکار رہتا ہے اور جیسے جیسے دونوں کی دوستی بڑھتی ہے حاضل فاطمہ کے قریب آجاتا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ اس کی ناشائستہ حرکت کے ذریعے اپنے دوست سے غداری، ایک طرح سے عیسیٰ کے ساتھ اس آخری غداری کا آغاز ہے جو ولندیزیوں کی طرف سے اذیت رسانی برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے عیسیٰ کو برداشت کرنا پڑی۔

عیسیٰ خوفزدہ آدمی ہے، تشدد کا خوف، بیوی کا خوف، اپنے ننھے منہ بولے بیٹے کی ناخوشی کا خوف، وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے، کوئی لفظ بولنے سے ڈرتا ہے۔ یہ خوف اس نفسیاتی کیفیت سے متعلق ہے جو اسے نامرد بنا دیتا ہے اور جس کا، اس کے ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق، صرف کسی باہر کی چیز سے یا کسی جذبے سے نہیں، بلکہ فیصلے کرنے کے خوف میں مبتلا ہے۔اس کے لئے واقعات ہی اس کے فیصلے کرتے ہیں اس نے انقلاب کو نہیں چنا بلکہ انقلاب نے اسے چنا ہے اور یہ ''عدم فیصلہ'' اسے اس سڑک کے آغاز پر لے آیا ہے جس کا کوئی آخری سرا ہی نہیں۔ایسے شجاعانہ کام کرنے کے لئے نہیں جن کے گیت ملک کی تاریخ میں گائے جائیں بلکہ صرف اپنے آپ سے سمجھوتہ کرنے اور اپنی شدید کمزوری اور خوف کے ہمراہ زندہ رہنے کے لئے اسے منتخب کیا گیا ہے۔

اس سے بھی کچھ زیادہ یہ کہ چونکہ خوف اس کی نامردگی کی بنیاد ہے اس لئے اپنی مردانگی کی بازیابی کے لئے انقلاب کی یہ سڑک اس کے نفسیاتی سفر کی ترجمان بھی ہے۔ اس ضمن میں عیسیٰ صرف ایک فرد عیسیٰ نہیں ہے بلکہ انڈونیشیا کی علامت ہے جو اپنی توانائیوں کو سمیٹنے کے قابل نہیں ہے اور جو اپنی طرح کے ہزاروں کمزور لوگوں کے اندر معاشرتی اور اخلاقی قوت پیدا نہیں کر سکتا۔ایسے کمزور لوگ جو ایسا معاشرہ وجود میں لائیں جو اس ملک کی اخلاقی قد آوری پیدا کرنے سے منسوب ہو اور جس کے دم سے انسانی مسرت تک رسائی ممکن ہو۔

ناول کے پہلے صفحے سے سڑک کا یہ تصور پورے ناول میں بار بار نمایاں ہوتا

MashalBooks.org

ہے، جب کالی گلیوں میں ٹرک کے پہیے گرجتے ہوئے اس چلتی پھرتی سڑک پر سے گزرتے ہیں جس کا کوئی آخری سرا نہیں ہے۔عیسیٰ کے خیالات اس سڑک سے قوت حاصل کرتے ہیں اور یہ سڑک راتوں کی تاریکی میں اس کے خوابوں کے تعاقب میں رہتی ہے جب کہ اس سڑک پر پلٹ جانے کا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔جس طرح جکارتہ میں بارش کے ساتھ بادلوں کی گرج شامل ہو جاتی ہے اس طرح کبھی کبھی وہ ایک جھپک میں ایک ایسا کوندا لپکتا دیکھتا ہے جو گھپ اندھیرے کو چیر ڈالتا ہے۔پھر اسے قرآن کے اس مشہور حصے کی گونج بھی سنائی دیتی ہے جس میں زندگی کو ایک طوفانی رات میں سفر کرنے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔''بجلی کی روشنی ان کی آنکھیں چندھیا دیتی ہے اور جب انہیں روشنی ملتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو رک جاتے ہیں۔(قرآن ۲:۲)

عیسیٰ کو اس سڑک کا کما حقہ، شعور حاصل نہیں جس پر اس نے قدم رکھا ہے مگر حاضل کو یہ سڑک صاف نظر آتی ہے اور اس کا بھرپور احساس تخصیص اس کے ایک ایسے نغمے میں اظہار پاتا ہے جس میں وہ کہتا ہے..... یہ موسیقی انسان کی بحیثیت انسان جدوجہد کا گیت گاتی ہے۔میرے نزدیک فرد حقیقت ہے، حقیقت تک پہنچنے کا محض ایک ذریعہ نہیں ہے۔یہ نغمہ میری زندگی ہے۔یہ وہ انقلاب ہے جس کا ہم نے آغاز کیا ہے۔مگر انقلاب حصول آزادی کما محض ایک ذریعہ ہے اور آزادی انسان زندگی کی مسرت اور شرافت کو شاداب کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔''

مگر عیسیٰ کی سرد مہری جاری رہتی ہے وہ اپنی انفرادیت میں سرشار رہنے کے بجائے ایک گروہ میں گمنام طور پر شامل رہنے کو ترجیح دیتا ہے جہاں اسے صدموں اور خراشوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔اس کے باوجود یہ وہی ہے جس نے حاضل کی موسیقی کو آرکسٹرا میں سمونے کی زبردست تجویز پیش کی ہے۔وہ حاضل کے اس کردار سے آشنا ہے جو انڈونیشیا کی تاریخ میں اس وقت سے گونج رہا ہے جب حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پانچ سو سال پہلے شرق الہند میں ڈونگ سونگ کی کانسی کی ثقافت آئی۔تب اس کی بازگشت، سنیاسیوں کی روح کو نشے کی سی کیفیت میں آسمانوں پر لے جانے کا ذریعہ رہی اور عیسیٰ کی تجویز یہ تھی کہ ہمیں طبل کو اس طرح کی یک آہنگ صورت پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے جس سے ہماری مطلوبہ فضا پیدا ہوگی اور تب ہم طبل کی آواز کو آہستہ آہستہ دور لے

جائیں گے تا کہ وہ نغمے کے پس منظر کی موسیقی کا کام دیتی رہے۔اس کی یہ تجویز حیرت انگیز حد تک بیتھوں کے مزامیری نغمے کی یاد دلاتی ہے۔

حاضل کی موسیقی کی تشریح کے لئے اس سے زیادہ بھی کہا جا سکتا ہے اور اس کے نغماتی کیفیت کو انسان کی طرف سے مسرت کی تلاش کی تجسیم قرار دیا جا سکتا ہے اور طبل کو انڈونیشی فرد کی اس جستجو کا وہ حصہ جس میں تنہائی ہے، خوف ہے، مسرت ہے اور دہشت ہے۔اس سے منشور کا یہ اعتراف یاد آتا ہے کہ ''یہ انڈونیشی ثقافت کرہ ارض کے ہر گوشے سے آنے والے محرک کے سلسلے میں ہمارے ردعمل سے صورت پذیر ہوگی۔''

..... ایک محدود احساس قومیت کے بجائے کھلی قوم پرستی، جسے اپنے وقار پر اعتماد ہو، لوبس کا بنیادی یقین ہے۔ ایک لمحے کے لئے جب ہم بیتھوون کے مزامیری نغمے کی ابتدا میں طبل اور وائلن کے مکالمے کے بارے میں سوچتے ہیں تو کتاب کے بین السطور معانی کے ترفع کا احساس ہوتا ہے اور تب ہم عیسیٰ اور حاضل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جب وہ اپنے نئے نغمے کے لئے باری باری وائلن اور طبل بجاتے ہیں۔ یہ کتاب جلدی میں لکھی گئی اس لئے اس میں خامیاں بھی ہیں، ناول میں ایک اساسی ہم آہنگی بھی ہے جو موسیقی کی اصطلاحات میں سمجھی جا سکتی ہے۔خوف کے بنیادی تصور، خود آگہی، نامردی، بجلی کے کوندے، سڑک ..... یہ تمام آپس میں گتھے ہوئے ہیں اور طبل کا نفوذ کرتا آہنگ بجلی کی کڑک، خالی گلیوں میں ٹرک کے پہیوں کی دھمک اور عیسیٰ کے دل کی دھک دھک ایک الوہی نغمے کی طرح اسے خوف سے آخری خلاصی کی طرف لئے جاتی ہے۔

کتاب کے اہم موضوعات سربرآوردہ دانشور شجاعت موکو کی تحریروں سے منطقی منصوبہ بندی حاصل کرتے ہیں۔شجاعت نے قومی ثقافت پر اپنے معروف مضمون میں لکھا تھا۔''انسان کا کسی نسل یا حکومت کی خدمت گزاری کے لئے ایک ہتھیار بن کر رہ جانا انڈونیشی شخصیت کے سراسر منافی ہے۔ انقلاب کے خاتمے پر فن اور فنکار کا مقدس ترین کام انڈونیشی انسان کی انسانیت کا تحفظ ہے کہ وہ سکیموں اور منصوبوں کی دلدل میں ڈوب نہ جائے اور محض ایک آلہ بن کر نہ رہ جائے، چاہے اس آلے کے مقاصد (اور نیت) اچھے ہوں۔حاضل انہی خیالات کا اظہار کر رہا ہے جب وہ کہتا ہے۔''میرے لئے تو فرد مقصد

ہے نہ کہ مقصد کا ذریعہ'' مملکت ایک ذریعہ ہے اور فرد کو مملکت کا ماتحت نہیں ہونا چاہیے۔''

اس طرح کے جذبات ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۵ء تک سکارنو کے ساتھ عقیدت اور انڈونیشیا کی زندگی کے ہر پہلو کو انڈونیشی شخصیت اور مملکت کے ماتحت رکھنے کی کوشش کی روشنی میں ایک بدشکل مسکراہٹ ہی پیدا کر سکتے تھے۔ مگر نکتہ یہ ہے کہ ۱۹۵۰ء سے لوبس نے اس طرح کی صورت حال پیدا ہونے کا اندازہ لگایا تھا اور ۱۹۵۹ء میں شجاعت موکو نے سکارنو کے قومی شخصیت کے نظریے کو اس کے اپنے خالق کے خلاف استعمال کرنے کی جرأت اور ہنرمندی کا مظاہرہ کر دیا۔ جب لوبس کو قید کیا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عالمگیر انسان دوستی کے نظریے کا موید تھا۔ جب کہ اس وقت اس نظریے کو قدامت پسندانہ، معاشرتی لحاظ سے غیر تخلیقی اور بورژوا قرار دیا جاتا تھا اور لوبس مصر رہتا تھا کہ وہ پہلے انسان ہے، ایک آزاد فرد ہے اور پھر انڈونیشی ہے۔

مغرب کی ادبی روایت کے پیش نظر مجھے اس کتاب میں سٹین بک کے ''دی مون از ڈاؤن'' کی گونج سنائی دیتی ہے۔ موضوع اور ترکیب قریب قریب ایک ہیں..... ایک آبادی کے سیدھے سادے لوگ جب دشمن کے قبضے کی وجہ سے مسلسل ہراس میں رہتے ہیں، آہستہ آہستہ اپنی آزادی خطرے کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ میئر آرڈن جس پر تمام ذمہ داری عائد ہوتی ہے، آہستہ آہستہ اور مذبذب، اس موقف کی طرف راستہ ٹٹولتا ہوا بڑھتا ہے جسے بہرصورت اختیار کرنا ہوگا۔ عیسیٰ کی طرح وہ بھی ایک ایسا شخص ہے جو خوف سے متعارف ہے اور اپنے انداز میں اس پر قابو پانا سیکھ جاتا ہے۔ وہ اپنے دوست ونٹر سے کہتا ہے ''تم جانتے ہو ڈاکٹر کہ میں چھوٹا سا آدمی ہوں اور یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر ہم چھوٹے لوگوں میں وہ چنگاری ضرور ہونی چاہیے جو بعد میں بھڑک کر شعلہ بنے۔ میں جانتا ہوں کہ میں بری طرح خوفزدہ ہوں اور میں نے اپنی زندگی بچانے کے لئے بہت کچھ سوچا ہے مگر اب وہ کیفیت چلی گئی ہے اور اب میں کبھی کبھی فرط انبساط سے محسوس کرتا ہوں جیسے اب میں بڑا ہوں اور جیسا ہوں اس سے کہیں بہتر ہوں.....''

دونوں کتابوں کا تعلق انسانی وقار سے ہے..... ایک واضح فرد سے نہ کہ ہجوم میں ایک گمنام آدمی سے۔ جب آرڈن کہتا ہے۔ ''آزاد لوگ جنگ شروع نہیں کرتے

مگر جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو وہ شکست کی حالت میں بھی لڑتے رہتے ہیں۔ ہجوم میں شامل لوگ جو ایک رہنما کے پیرو ہوتے ہیں ایسا نہیں کر سکتے، چنانچہ یہ ہجوم ہمیشہ لڑائیاں جیتتا ہے مگر آزاد لوگ جنگیں جیتتے ہیں۔'' وہ حاضل کا بیان دہرا رہا ہے۔''انسانی جدوجہد ایک ہجوم کی جدوجہد نہیں ہے۔ یہ ان گیدڑوں کی بھونک نہیں ہے جو اکٹھے ہو کر شکار پر نکلتے ہیں بلکہ زندگی کی جدوجہد میں ایک منفرد گیدڑ کی بھونک اور غراہٹ اور درد اور چیخ ہے۔'' تاہم موضوع میں ایک بنیادی فرق ہے۔ لوبس کی کتاب انسان سے بحیثیت انسان زیادہ کھرے پن سے وابستہ ہے۔ سیٹن بک نے ہٹلر کے خلاف جنگ میں سقراط سے آج تک کی مغربی تہذیب کا سہارا لیا ہے اور ناروے کے دیہاتیوں کو ہٹلری ظلمت میں مشعل بردار کا کردار سونپا ہے۔ لوبس نے انڈونیشی انقلاب کی تائید میں نہیں لکھا۔ یہ انقلاب اس کی نظر میں اس سے کہیں بڑی جدوجہد کا ایک حصہ ہے..... یہ انسانی روح کے وقار کو بیدار کرنے کا مقدس سفر ہے۔ چنانچہ وہ اس کے ہاتھ بے عیب صفات منصوب کرنے پر اپنے آپ کو مجبور نہیں پاتا۔ کسی بھی انسانی تحریک کی طرح انقلاب میں خیر کے ساتھ شر بھی شامل ہوتا ہے اور وحشی اونٹونگ سے کردار کی اور بے مقصد قتل و غارت بھی، جس کے بارے میں لوبس نے لکھا ہے۔ یہ سب حاضل کی عظیم مثالیت کا حصہ ہے۔

ترقی پذیر قوموں کے جدید ادب میں اس طرح کے تجربات موجود ہیں اور ادیبوں کے ذہنوں پر یہی چیلنج، ترغیبات اور دباؤ حاوی ہیں۔ جب اپنی پسند سے وطن بدر ہونے والا جنوبی افریقہ کا ادیب ایزیکیل فاہلیلی لکھتا ہے کہ دشمنوں نے اس سے نو آبادیت، جدید نو آبادیت اور شاہیت سے وابستہ کر دیا ہے تو جدید انڈونیشی ادب کا طالب علم محسوس کرتا ہے کہ وہ یہاں بھی رہ چکا ہے اور جب وہ کہتا ہے''ہم جنوبی افریقہ والے گزشتہ تین سو سال کے تشدد کے دوران سفید فاموں کی برتری کے خلاف خونی جدوجہد میں مصروف ہیں..... افریقی وقار کے لئے نہیں بلکہ اپنے انسانی وقار کے لئے۔ رہا ہمارا افریقی وقار، تو وہ تو ہے ہی مسلمہ حقیقت۔'' تو وہ افریشیائی ملکوں کے نفسیاتی اور ادبی ارتقا کے ضمن میں ایک نازک مسئلے کو چھوتا ہے۔ جب وہ اس حیرت پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔''آخر ادبی فضا میں اتنا بگاڑ کیوں ہو کہ روایت پر پورا اترنے والے معیاروں سے مختلف معیاروں کے ذریعے جدید ادب کو پرکھا جائے گا؟ آخر وہ اس

MashalBooks.org

معاشرتی حوالے سے پرکھے جانے سے کیوں ڈرے جس سے اس نے جنم لیا اور وہ ایک ''سیاہ بہروپ'' کے پیچھے چھپنے کے لئے کیوں بھاگا پھرے؟''.....''سیاہ بہروپ'' (سیاہ فامی کے تفاخر) کی جگہ سوکارنو کے انڈونیشی شخصیت کی اساطیر سازی کا نظریہ رکھ لیجیے یا ماؤزے تنگ کا ''مزدور اور کسان'' اور دیگر طبقاتی وفاداریاں جو جماعت کی سچائی کو انسانی اور اخلاقی سچائیاں سے برتر قرار دیتی ہیں۔

''بے منزل سفر'' اس وقت کی صورت حال کے دباؤ کے باوجود، جب اسے تحریر کیا گیا، انسان کا بحیثیت انسان ذکر کرتا ہے۔ اس طرح اس کی اہمیت اس کی بنیادی، ادبی، قدر و قیمت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ قابلیلی کی طرح لوبس کا بھی پیغام یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی سب سے بڑی ضرورت، رنگ، نسل اور مذہب میں حقیقی اور خیالی کوتاہیوں کو چھپانے سے اجتناب کرنا ہے۔ اس طرح کتاب کے آغاز میں جولس رومینز کا جو یہ اقتباس درج ہے اس کی معقولیت واضح ہو جاتی ہے۔ ''خوف سے آزاد ہونے کے لئے ہمارے پاس کیا ہونا چاہیے؟''.....کس قسم کا خوف؟.....اس بزدلانہ عدم تحفظ کے احساس سے تو قطعی نہیں جو اس طرح کے بدشکل خیالات میں پناہ لینے پر مجبور کر دیتا ہے جیسے سیاہ فامی کا تفاخر، قومی شخصیت اور اس طرح کے دیگر خیالات۔

لوبس اور شجاعت موکو کے خیالات کے درمیان جو باہمی ربط ہے اسکی وضاحت ممکن ہے کیونکہ لوبس بھی ایک دانشور ہے۔ میرے نام ایک خط میں اس نے واضح کیا تھا کہ اپنی توانائیوں کو ادب کے بجائے صحافت کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ اس نے سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس طرح وہ جمہوریت اور انفرادی ذمہ داری کے بارے میں اپنے نظریات کو زیادہ لوگوں تک پہنچا سکے گا۔ اگر اس کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جرأت مند آدمی ہے، تو وہ یہ اعتراف بھی کرتا ہے کہ وہ خوف سے باخبر ہے اور اپنے اداریوں کے نتائج سے خوفزدہ تھا اور اس لمحے کے انتظار میں تھا جب اس کے دشمن اس کے قلم کو خاموش کر دیں گے۔ اعصابی تناؤ.....انڈونیشیا میں متضاد قوتوں کا نازک توازن.....انتہائی پیچیدہ ہے۔ لوبس کے نزدیک تاریخی حالات کے حوالوں اور خاص التجاؤں سے اس کے ان اصولوں پر کوئی زد نہیں پڑتی کہ قوم کو خواہ کسی بھی صورت حال کا سامنا ہو، جب تک اسے فرد کی آزادی کا اعتماد نہ ہو، وہ خود اعتمادی

سے محروم رہتا ہے کیونکہ لوگ جنہیں خود پر اعتماد نہیں ہوتا، وہ دوسروں کی طرف سے تحفظ کے دھوکے میں مبتلا ہونا پسند کرتے ہیں۔ اس کے پیغام کا نچوڑ یہ ہے کہ ہر شخص کو اتنی جرأت حاصل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے ایک راستے پر مردانہ وار چل سکے چاہے اسے تنہا جانا پڑے۔

اخبار نویس کی حیثیت سے بھی لوبس نے اپنے تصور پر اپنا ایمان پختہ رکھا جو اس نے اس ناول میں پیش کیا ہے۔ تاہم کیا امید کرنا زیادتی ہے کہ پختہ عمر تک پہنچنے پر وہ ادب کی طرف پلٹ آئے گا اور اپنے قارئین کو ''بے منزل سفر'' سے کچھ آگے لے جائے گا؟

اینٹنی ایچ، جونز
پروفیسر انڈونیشی زبان اور ادب
آسٹریلین نیشنل یونیورسٹی
کینبرا

MashalBooks.org

(1)

بوندا باندی اور ابر آلود موسم نے وقت سے پہلے اندھیرا کر دیا تھا۔ گرج چمک سے سارا افق روشن تھا لیکن اس لمحاتی روشنی کے بعد تاریکی اور بھی گہری ہو جاتی تھی، بارش سے پناہ کیلئے ادھر ادھر بھاگتے چند لوگوں کے سوا سڑکیں خالی اور ویران تھیں، شہر میں خوف کی فضا مسلط تھی۔

خالی گلیاں، درشت چہروں والے سپاہیوں سے بھرے ٹرک کے پہیوں کے شور سے گونج رہی تھیں۔ ٹرک دائیں طرف مڑا، سیدھا سامنے گیا، پھر بائیں طرف مڑا، پھر دائیں اور پھر آگے ہی آگے، ویران اور خالی گلیوں میں ..... ارد گرد اندھیرے اور بارش میں لپٹی رات پھیلی تھی .....اور بغیر کسی منزل کے ایک سڑک .....

جکارتہ۔ ستمبر ۱۹۴۶ء۔ صبح

گنگ جکسا میں تین بچے کھیل رہے تھے، ایک نے پتنگ کی ڈور کس کر پکڑ رکھی تھی، دوسرا پنجوں کے بل سے اونچا کیے کھڑا تھا اور تیسرا ہدایات دے رہا تھا ''غلط، غلط ہوا دوسرے رخ پر ہے، جگہ بدلو'' دونوں نے اس کی ہدایت مان لی۔ ''بس اب ٹھیک ہے، اب اسے جانے دو۔ جلدی جلدی۔''

گنگ کیبون سری و تین سے ایک اور بچہ آیا جو کھیلنے والے تینوں بچوں سے بڑا اور مضبوط تھا۔ اپنی چال ڈھال اور شکل و شباہت سے وہ کوئی مقامی دھونسو، لگتا تھا، اس کے ہاتھ میں کٹھل کے پیڑ کی چھڑی تھی۔ گلی کے آخری سرے پر کھڑے ہو کر اس نے دائیں بائیں دیکھا، کھیل میں مصروف بچوں کو دیکھ کر مسکرایا اور ان کی طرف چل دیا۔

''میں جوجو کی پتنگ چھین لوں گا'' اس نے نہایت اطمینان سے سوچا۔ یہ خیال

MashalBooks.org

آتے ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں ان میں سے کسی بچے کی ماں آس پاس نہ ہو اور میدان صاف دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

پاک دامرہ کے سٹال پر چھ آدمی کافی پی رہے تھے۔ اس جگہ کو سٹال کہنا تو زیادتی تھی۔ بس سڑک کے کنارے بانس کے چار ڈنڈوں پر چھپر کے آٹھ بالے ٹکے تھے۔ پاک دامرہ ہر روز صبح اپنا مال اسباب ساتھ لاتا اور چاول، بھنی مونگ پھلی، مچھلی کا سالن، مصالحے، تلے ہوئے کیلے اور گرم کافی تیار کر کے بیچتا۔ اس وقت وہاں بیٹھے لوگوں میں سے چار تو کیبون سری شہر کے ایک دفتر میں چپراسی تھے، جو کام پر جاتے ہوئے ایک دو تلے ہوئے کھیلے کھانے اور کافی پینے رک گئے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ دوسرے دو سے ایک سائیکل رکشا کا ڈرائیور تھا۔ اس کی سائیکل رکشا چھوٹے سے سٹال کے ساتھ ہی کھڑی تھی جہاں وہ ناشتے کے لئے رکا تھا۔ دوسرا ہڈیاں اور چیتھڑے جمع کرنے والا تھا۔ جو اپنا صبح کا پھیرا شروع کرنے کو تھا۔ اس کے سارونگ کے سوراخ سے اس کا گھٹنا جھانک رہا تھا۔

''کل سکھوں نے تاناتنگی کے علاقے میں سب کچھ اتل پتھل کر دیا۔'' ہڈیا اور چیتھڑے جمع کرنے والا تلے کیلے بھرے منہ سے بڑبڑایا۔

سائیکل رکشا چلانے والے نے گرم کافی پیتے ہوئے اپنے میلے اور سیاہ بازو سے منہ پونچھا اور بولا ''ہاں میں وہیں تھا۔ ہمیں وہاں سے نکلتے نکلتے تین گھنٹے لگ گئے''۔ ہڈیاں جمع کرنے والا تھوڑا سا ہنسا اور رازداری سے بولا۔ ''تمہیں ایک بات پتہ ہے؟''

چاروں چپراسی جاتے جاتے پھر بیٹھ گئے۔ ہڈیاں جمع کرنیوالے کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی گرما گرم خبر ہے۔ پاک دامرہ نے چولہے میں لکڑی کے اور ٹکڑوں کو احتیاط سے ایک ایک کر کے جمایا۔ اسے کسی گرما گرم خبر سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہڈیاں جمع کرنے والا بتاتا رہا۔

''کل تاناتنگی میں میں نے تین نوجوانوں کی مدد کی۔ انہوں نے میری کاٹھ کباڑ کی ٹوکری میں دو ریوالور اور پانچ دستی بم چھپائے۔ میں اسی لئے سکھوں کے ٹرک کے پاس جا بیٹھا اور تلاشی ختم ہونے تک بیٹھا رہا۔'' بات مکمل کر کے اس نے فخر سے چاروں طرف دیکھا ''تمہیں ڈر نہیں لگا؟'' چپراسیوں میں سے ایک نے پوچھا ''ڈر؟'' ہڈیاں جمع

کرنے والے نے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔ اسے خیال آیا کہ نہ ڈرنے کی بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ سو اس نے سچ بتانے میں ہی عافیت سمجھی۔

''میرا تو ڈر سے سانس بند ہو رہا تھا۔ سکھوں سے نہیں، نوجوانوں سے، ہتھیار نہ چھپانے کی صورت میں انہوں نے مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔ سکھوں کے جانے کے بعد جب انہوں نے مجھ سے ہتھیار واپس لیے تو میری جان میں جان آئی۔''

''پھر؟'' سائیکل رکشا والے نے مزید کریدا۔

''انہوں نے مجھے پانچ روپے ٹپ دیا'' یہ کہتے ہوئے ہڈیاں جمع کرنے والے نے بات ختم کی اور ناشتے کا بل ادا کرنے کو چھوٹی میز پر روپیہ پھینکا۔ چاروں چپراسی دفتر کو چلے۔

پاک دامرہ نے ہڈیاں جمع کرنے والے کو بقایا دینے کے لئے دراز کھولی۔ سائیکل رکشا والا کافی پیتا رہا۔

بابا تان (بابا عموماً چینی مردوں کو مخاطب کرنے کے لئے بولا جاتا ہے) اپنے سٹال کے سامنے کرسی پر بیٹھا بانس کے لمبے پائپ پر کش لگا رہا تھا۔ ایک عورت، کمر پر بچہ اٹھائے اس کے سٹال کے سامنے رکی، بابا تان نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی یا کم از کم ایسا ظاہر کیا۔ عورت تذبذب میں تھی کہ سٹال پر رکے یا آگے بڑھ جائے، بالآخر وہ سٹال کے اندر آ ہی گئی۔

''مجھے دو کلو چاول دے دو'' اس نے کاؤنٹر پر کھڑے بابا تان کے بیٹے سے کہا۔ بچے نے چاول پیک کر کے عورت کے سامنے میز پر رکھ دیئے اور کہا۔ ''چھ روپے''

''ان کی قیمت پھر چڑھ گئی۔ ابھی پرسوں تو ان کی قیمت ڈھائی روپیہ تھی'' عورت نے مزاحمت کی۔

''اب چاولوں کی بہت قلت ہے'' لڑکے نے قیمت میں اضافے کا دفاع کیا۔

''اچھا تو یہ رقم بھی کھاتے پر لکھ لو۔'' پیکٹ کی طرف بڑھتے ہوئے خاتون نے کہا۔

''اب تمہیں اور ادھار نہیں مل سکتا'' بابا تان نے سٹال کے باہر سے آواز لگائی۔

MashalBooks.org

''لیکن میں تو مستقل گاہک ہوں''

''ہاں لیکن اب حالات بہت خراب ہیں، میں بھی بہت تنگ ہوں۔ اب اور ادھار نہیں مل سکتا۔ ناممکن'' عورت نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور خاموش کھڑی ہوگئی۔ اس نے سوچا اب کس سے پیسے ادھار لوں۔ شاید عیسیٰ سے مل جائیں۔

''اچھا تم اسے ایک طرف رکھ دو۔ میں پیسوں کا انتظام کرتی ہوں''

وہ خفا خفا سی دکان سے نکل کر بڑی سڑک پر ہو لی۔ ابھی چند قدم ہی گئی ہوگی کہ ٹرک کے انجنوں کا طوفانی شور سنائی دیا۔ اس شور کے ساتھ لوگوں کی خوفزدہ سہمی ہوئی آواز میں مسلسل یہ الفاظ بھی سنائی دے رہے تھے۔

''خبردار رہو! خبردار رہو!''

اس سے پہلے کہ عورت کو بھاگنے کا موقع ملتا۔ لوہے کے ہیلمٹ والے سپاہیوں سے بھرے دو ٹرک کیبون سری کی سمت سے آن پہنچے وہ بھاگ کر واپس تان بابا کے سٹال میں آ گئی۔

اس وقت تک چاروں چپڑاسی کیبن سری اور گینگ جکسا کے سنگم پر پہنچ چکے تھے۔ بغیر کچھ سوچے وہ سڑک کے کنارے ایک مکان کے صحن میں جا کودے۔ انہیں بھاگتا دیکھ کر ٹرک کے سپاہیوں نے فائر کھول دیا۔ ویران گلی رائفل اور سٹین گن کی گولیوں سے گونج اٹھی۔ ان میں سے دو تو موقعے پر ہی گر پڑے۔ جیسے کسی نادیدہ جناتی ہاتھ نے ان کے چہروں کو مٹی میں دفن کر دیا ہو۔ دوسرے دو نے ایک مکان کے پیچھے چھپ کر پناہ لی۔ ٹرک اپنی رفتار پر یوں بھاگتا رہا کہ پتنگ سے کھیلتے بچوں کو بچ نکلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ وہ صرف پاک دامرہ کے سٹال تک جا سکے۔ جہاں سائیکل رکشا ڈرائیور اور ہڈی چیتھڑے جمع کرنے والا بھاگنے کی تیاری میں تھے۔ پاک دامرہ تو جیسے بنچ پر جم کر رہ گیا تھا۔ ٹرک پر بیٹھے سپاہی ہر نظر آنے والے شخص پر مسلسل فائرنگ کرتے رہے۔ سائیکل رکشا والے کی ٹانگ پر گولی لگی اور وہ نیچے گر پڑا۔ بچوں میں سے ایک کوئی آواز نکالے بغیر زمین پر گرا، ایک دو بار لرزا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ بچے والی عورت واپس تان بابا کے سٹور میں بھاگی۔ تان بابا اور ان کا بیٹا سٹور کے پیچھے چھپے ہوئے تھے اور انہیں اس بات کا ہوش نہیں تھا کہ سٹور لاوارث پڑا ہے۔

MashalBooks.org

تین منٹ بعد ٹرک گینگ جکسا اور جالان آسام لاما کے دوراہے پر نمودار ہوئے۔ دونوں ٹرکوں کے سپاہی ابھی تک دائیں بائیں گولیاں برسا رہے تھے اور چلا چلا کر ہتک آمیز باتیں کر رہے تھے۔

''مرو، سوئیکارنو کے کتو! تمہیں آزادی چاہیے نا؟ یہ لو آزادی!''

یہ کہتے ہوئے اور وہ رائفلیں اور سٹین گنیں تان تان کر فائر کیے جاتے۔

بچے والی عورت کیبون سری جانے والے گلیوں میں سے ایک میں غائب ہو گئی۔

بابا تان، اس کا بیٹا اور باقی خاندان بدستور چھپے رہے۔

پندرہ منٹ بعد، جب کوئی اور ٹرک نظر نہیں آیا تو بانس کے نیزے اٹھائے بہت سے نوجوان، گھروں کی باڑوں، باورچی خانوں اور بیت الخلاؤں سے نکل کر آہستہ آہستہ جمع ہونا شروع ہوئے۔ پھر اکا دکا دوسرے لوگوں نے بھی باہر نکلنے کی ہمت کی۔ کچھ ایمبولینس کے لئے ٹیلی فون کرنے بھاگے، کچھ پاک دامرہ کے چھوٹے سٹال کے آس پاس کھڑے رہے۔ ایک نے سڑک بیچ پڑے بچے کو اٹھا کر ایک طرف کیا جس کے ننھے سے میلے ہاتھ میں ابھی تک پتنگ کی ڈور تھی..... وہ بے حس و حرکت پڑا تھا، پاک دامرہ زخمی نہیں ہوا تھا لیکن صدمے سے گنگ ہو گیا تھا، سب سوالوں کا جواب وہ بس خالی آنکھوں سے دیتا تھا جو اس کے زرد چہرے پر جیسے پتھرا گئی تھیں۔

کچھ اور نیزہ بردار نوجوان بھاگتے ہوئے آئے۔ ان کے پیچھے ایک ریوالور بردار بھی تھا، جس نے زخمی رکشا ڈرائیور سے پوچھنا شروع کر دیا کہ گولیاں کس نے چلائیں اور کتنے لوگ اس کام میں ملوث تھے۔ رکشا والے کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ تکلیف کی شدت سے بے حد کراہ رہا تھا۔ نوجوان کو اس سے اپنے سوالوں کا جواب نہ ملا تو اس نے کچھ دوسرے نوجوانوں کو ہدایت کی کہ دونوں چپڑاسیوں کو سڑک کے ایک طرف کر دیں جو ابھی تک زندہ تھے مگر خطرناک حد تک زخمی۔ ان کی سبز جیکٹیں خون سے سرخ تھیں۔ دونوں شدید اذیت میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد ریڈ کراس کی ایمبولینس دونوں زخمی چپڑاسیوں اور مردہ بچے کو اٹھانے آ پہنچی۔

''میں انتارا یوز آفس فون کر دوں گا'' ریوالور بردار نوجوان نے کسی مخصوص

آدمی کو مخاطب کیے بغیر سب سے کہا۔

صبح جب گنگ جکسا میں فائرنگ شروع ہوئی۔عیسیٰ نامی ایک استاد، تانا ابانگ میں واقع اپنے سکول جا رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ اپنی بیوی اور بچے کے خیال سے سخت پریشان ہوگیا۔ پھر اس نے خود کو تسلی دی۔ فاطمہ محتاط ہوگئی۔ میں نے اسے گھر سے باہر نہ نکلنے کی ہدایت کر رکھی ہے۔''خبردار رہو'' کی آوازیں ڈلان ہول اور جالان آسام لامہ کی گلیوں میں گونج رہی تھیں اور سب شاہراہیں ویران ہوگئی تھیں۔عیسیٰ کو کسی اجنبی کے گھر میں پناہ لینا پڑی، لیکن اس گھر کے مکین اس سے بہت مہربانی سے پیش آئے۔

وہ مالک مکان کے ساتھ برآمدے میں بیٹھا تھا جو سہما سہما کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔اس کی پھولی ہوئی سانس تو ہموار ہو رہی تھی، لیکن خوف نے ابھی تک اس کے دل کو دبوچ رکھا تھا۔سفید گرد کے طوفان سے ڈھکی جالان آسام لامہ کی سڑک بالکل خالی پڑی تھی۔ پوری سڑک پر صرف ایک خارش زدہ کتا ہی دکھائی دیتا تھا۔

مالک مکان کی بیوی کمرے سے اٹھنے لگی تو اس کے شوہر نے ہاتھ کے اشارے سے واپس بیٹھنے کو کہا۔قریباً پانچ منٹ تک وہ سب اسی طرح سہمے بیٹھے رہے۔سڑک ابھی تک ویران تھی۔عیسیٰ نے اس خاموشی کو توڑا''میرا نام عیسیٰ ہے، میں تانا ابانگ سکول میں استاد ہوں''''اوہ! میرا نام صمدی ہے میں فنانس ڈیپارٹمنٹ سے منسلک ہوں۔''

مالک مکان نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

گھر کے بالمقابل سڑک کے دوسری طرف دو مسلح نوجوان سفید دیوار اور سبز سدا بہار چینی باڑ کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''کوئی آ رہا ہے'' صمدی نے سرگوشی کی۔عیسیٰ نے سارش کی طرح گردن آگے نکال کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔سامنے دو نوجوان بار کے پیچھے رینگ رہے تھے۔ باڑ سے اگلے گھر کے صحن میں ایک اور نوجوان کودا۔اس کے پاس صرف ایک ریوالور تھا۔وہ ان دونوں نوجوانوں کی طرف آیا اور انہیں خبردار کیا۔''سکھوں کا ٹرک سڑک کے آخری سرے پر ہے، بہت محتاط رہو۔''

اس کے بات ختم کرنے سے پہلے ہی''خبردار رہو'' کا نعرہ گونجا اور گونجتا چلا گیا۔

MashalBooks.org

ریوالور والا نوجوان سڑک کے وسط سے واپس پلٹا اور پہلے سے چھپے دونوں نوجوانوں کے پاس دبک کر بیٹھ گیا۔

ٹرک کی آواز سن کر عیسیٰ نے سر کھڑکی سے اندر کر لیا۔ صمدی نے دیکھا ٹرک تین گھر پرے رک گیا۔ عیسیٰ سانس روکے تینوں نوجوانوں کے اگلے اقدام کا انتظار کر رہا تھا جنہوں نے ابھی فائر نہیں کیا تھا پھر اس نے بھارتی سپاہیوں کو ٹرک سے اترتے دیکھا۔ اس کے اندر جیسے سناٹا بھر گیا اور سینے کو کسی نے جکڑ دیا۔ اس کے لئے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ کن انکھیوں سے اس نے صمدی کی طرف دیکھا، مگر وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ برآمدے میں عیسیٰ بالکل اکیلا تھا۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ وہ بھاگ جائے مگر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ فرار کا کوئی راستہ نہیں۔ بھارتی سپاہی صرف تین گھر دور موجود تھے۔

اچانک نوجوانوں میں سے ایک نے رائفل سے فائر کیا۔ بھارتی سپاہیوں میں سے ایک کے قدموں کے پاس تھوڑی سے گرد اڑی اور بس۔ نشانہ خطا گیا تھا۔ سپاہی بہت پھرتی سے بکھر گئے اور بچاؤ کے لئے زمین پر لیٹ گئے ایک سپاہی خندق میں لڑھک گیا اور دوسرا چھوٹی دیوار کے پیچھے کود گیا۔ عیسیٰ نے سپاہیوں کو دیوار کے پیچھے کی طرف رینگتے دیکھا حتیٰ کہ وہ سب چھپ گئے۔ چھوٹی دیوار کے پیچھے چھپا سپاہی مسلسل فائرنگ کرتا رہا۔ تین آدمی ٹرک کے پاس سڑک پر چت لیٹے تھے۔ پھر وہ اچانک اٹھے اس سمت بھاگے جہاں تین نوجوان چھپے ہوئے تھے۔

عیسیٰ اس سارے منظر میں اتنا کھو گیا کہ اسے اپنی حفاظت کا خیال ہی نہیں رہا۔ اسے تو اگلے دروازے پر ہونے والا رائفل کا دھماکہ حقیقت کی دنیا میں لایا جس کے بعد اس نے درد سے کراہنے اور تیز تیز بھاگنے کی آواز سنی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچ پاتا، سامنے کا دروازہ ٹھوکر سے کھلا اور ایک لحیم شحیم سپاہی دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی رائفل کی نال سے ابھی تک دھواں نکل رہا تھا۔ ''خدایا ہم سب پر رحم فرما'' عیسیٰ خود سے مخاطب ہوا۔ خوف سے اس کی بری حالت تھی۔ اسے مکمل یقین تھا کہ اب اسے گولی مار دی جائے۔ اس لمحے اسے اپنی بیوی فاطمہ اور چار سالہ سلیم کا خیال آیا۔

''ہینڈز اپ'' سپاہی نے درشتی سے حکم دیا۔ اس سے پہلے کہ عیسیٰ اپنے قدموں

پر کھڑا ہو کر ہاتھ اوپر اٹھاتا، ایک ٹھوکر سے پچھلا دروازہ کھلا اور تین اور سپاہی اندر داخل ہوئے۔ عیسیٰ نے کھڑے ہو کر ہاتھ اوپر اٹھائے۔ ایک سپاہی نے تیزی سے اس کی تلاشی لی۔ عیسیٰ غیر مسلح تھا۔ پھر بھی اسے کمرے کے درمیان کھڑا رہنے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے سپاہی نے سونے والے کمرے پر دھاوا بول دیا اور ایک منٹ بعد صمدی اور اس کی بیوی اور دو معصوم بچے بھی اسی کمرے میں تھے وہ سب خوف سے سفید تھے اور تھر تھر کانپ رہے تھے۔ صمدی کی بیوی کی تلاشی لینے والے سپاہی کو دیکھ کر عیسیٰ کو شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ خاتون سے بدتہذیبی کر رہا تھا۔ اس کے سینے کی تلاشی لیتے ہوئے سپاہی نے غیر ضروری طور پر زیادہ دیر وہاں ہاتھ رکھا۔ یہ حرکت دیکھ کر اس کے شوہر نے بے بسی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

عیسیٰ کو فوراً اپنی بیوی کا خیال آیا۔ اس نے سوچا اگر یہ لوگ اس کے گھر پر حملہ کریں اور اس کی بیوی فاطمہ کی اس طرح تلاشی لی تو وہ کیا کر لے گا؟ وہ مزاحمت کر سکے گا؟ اس نے اس خیال کو جھٹکا کیونکہ دل کی گہرائی میں اسے علم تھا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکے گا۔ موت کا خوف اسے بزدل بنا دے گا۔

چاروں سپاہی پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔ ایک منٹ بعد سیٹی بجی، عیسیٰ اور صمدی نے پچھلی کھڑکی سے باہر جھانکا، ہندوستانی سپاہی ٹرک پر سوار ہو کر لان ہولے کی سمت تیزی سے جا رہے تھے۔

عیسیٰ مالک مکان کی طرف مڑا اور کہا ''میرا خیال ہے اب راستہ صاف ہے، آپ کی مہربانی کا بہت بہت شکریہ۔ اب سکول جایا جا سکتا ہے۔''

''مردیکا'' (آزادی) کہتے ہوئے وہ گھر سے روانہ ہوا۔ اگلے مکان کے آگے سڑک پر ایک گرے ہوئے آدمی کے گرد کچھ لوگ جمع تھے۔ عیسیٰ مارے تجسس کے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے گیا۔ ایک ادھڑ عمر چینی بے حس و حرکت لیٹا تھا۔ ایک طرف سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ ایک چینی عورت ہاتھ میں ایک سفید کپڑا پکڑے بھاگتی ہوئی آئی۔ ہجوم میں سے ایک نے سسکتی ہوئی عورت سے کپڑا لے کر اس سے بہتا ہوا خون روکنے کی کوشش کی۔ عورت زمین پر بیٹھ گئی اور لیٹے ہوئے مرد کا سر سہلانے لگی جو پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔

MashalBooks.org

''ایمبولینس منگوالی ہے؟'' کسی نے پوچھا۔

''ہاں'' کسی نے جواب دیا ''بس ایک دومنٹ میں آتی ہوگی۔''

چندایک نے مشورہ دیا کہ زخمی کو اٹھا کر گھر کے اندر لے جایا جائے لیکن کسی نے ٹوک دیا۔

''نہیں نہیں! ایمبولینس کے آنے تک اس کو یہیں رہنے دو۔'' عیسیٰ اٹھ کھڑا ہوا، بغیر سوچے سمجھے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس کے کانوں میں جیسے سب آوازیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔

''یہ بھاگ رہا تھا، ورنہ اسے گولی نہ لگتی''

کون نہیں بھاگے گا؟ سکھوں کو دیکھ کر کون نہیں بھاگے گا'' دوسری آواز نے کہا۔

چینی عورت اپنے شوہر کو خون میں ڈوبا دیکھ کر مسلسل رو رہی تھی۔ عیسیٰ نے سوچا اگر مجھے گولی لگ جائے تو میری بیوی اور بچے کا کیا ہوگا۔ تصور میں خود کو زمین پر خون آلودہ لیٹے اور کراہتے ہوئے دیکھ کر عیسیٰ بے چین ہو گیا۔ ایسے مناظر اسے ہمیشہ سے انسانی وقار کی توہین محسوس ہوتے تھے۔ ایک چیخ نما آواز نے اسے اپنے خیالات سے چونکا دیا۔

''ایمبولینس آ گئی ہے''

ایک ایمبولینس ہجوم کے سامنے آ کر رکی۔ یونیفارم میں ملبوس چار نرسیں چھلانگ لگا کر نیچے اتریں، ان کے پیچھے ایک نوجوان نے ڈرائیور کی مدد سے سٹریچر نکالا اور زخمی چینی کے پاس رکھا۔ نرسیں پھرتی سے اپنے کام میں جت گئیں۔

''پہلے ایمرجنسی پٹی نکالو'' انچارج نرس نے حکم دیا۔

کچھ لوگوں نے مل کر زخمی چینی کو سٹریچر پر ڈالا۔ عیسیٰ اور دوسرے لوگ ابھی سٹریچر کو ایمبولینس تک لے جا ہی رہے تھے جب ''خبردار رہو!! خبردار رہو!'' کی بھیانک آواز چاروں طرف گونج اٹھی۔ ابھی اس آواز کی بازگشت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ گرجتے کھڑکھڑاتے ٹرک تانا بانا کی سمت سے آدھمکے۔ کسی نے چیخ چیخ کر نرسوں کو ایک مکان کے پیچھے چھپنے پر مجبور کیا۔ عیسیٰ اور دوسرے اس آواز کے پیچھے بھاگے۔ بانس کی باڑ کے پیچھے رینگتے رینگتے کافی گلیاں گزر گئیں تو وہ شخص رکا ''میرا خیال ہے یہ جگہ محفوظ ہے۔ سکھ

اتنی دور تک نہیں آتے'' عیسیٰ بھاگنے کا عادی نہیں تھا اس لئے کھڑا ہانپ رہا تھا۔ نرسوں نے سٹریچر پر پڑے زخمی چینی کی نگہداشت کے لئے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن سب نے انہیں روک دیا۔

''بالکل نہیں! سکھ ریڈ کراس کی کوئی عزت نہیں کرتے'' گلی میں موجود لوگ الٹا انہیں اندر آ کر آرام سے بیٹھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ عیسیٰ اپنے لوگوں کی نیک فطرتی اور شائستگی سے بہت متاثر ہوا کہ خطرے کے باوجود وہ آداب اور مہربانی نہیں بھولے۔

پہلی مرتبہ اس نے ان نرسوں کو غور سے دیکھا۔ وہ سب کم سن تھیں..... اٹھارہ اور اکیس کے درمیان، ان میں سے ایک اسے دیکھ کر مسکرائی جیسے تسلی دے رہی ہو کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

''ہم اس سب کی عادی ہیں'' وہ خوش مزاجی سے بولی ''کل رات ہم سب کو دفتر میں ہی سونا پڑا کیونکہ رات کے ایک بجے تک کام ختم ہوا تھا۔ صرف کرامات کے فسادوں میں بارہ لوگ شدید زخمی ہوئے، سادہ بھر میں زخمیوں کی تعداد چھ تھی۔''

انچارج نے سب نرسوں کو زخمی چینی کے پاس واپس جانے کا حکم دیا۔

''ہم اسے وہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے''

کیسا شاندار احساس فرض ہے، عیسیٰ نے فخر سے سوچا۔ اس کی نظر چینی عورت پر پڑی جوان کے ساتھ ہی بھاگی چلی آئی تھی اور اب گلی کے نکڑ پر سہمی کھڑی تھی۔ نرسوں میں سے ایک نے اس کا بازو تھاما اور ساتھ لے چلی۔ ایمبولینس ڈرائیور اور نوجوان ان کے آگے آگے بھاگے تاکہ صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔

وہاں سے انہوں نے ''سب خیریت'' کا اشارہ دیا تو نرسیں، عیسیٰ، زخمی چینی کی بیوی اور بہت سے دوسرے چینی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ صمدی نے جو ابھی گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا تھا، عیسیٰ کو اشارہ کیا اور بلند آواز میں بولا ''آگے چلتے جاؤ سکھ یوریشین خاندان کو لینے آئے تھے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ خاندان خود کو یہاں خطرے میں محسوس کر رہا تھا اور اس نے درخواست کی تھی کہ انہیں ۱۰ بٹالین کے علاقے میں منتقل کر دیا جائے۔ سکھ یہاں انہیں پناہ دینے آئے تھے۔''

عیسیٰ کے دل میں خیال آیا لیکن اس مقصد کے لئے کسی کو قتل کرنے کی کیا

MashalBooks.org

ضرورت تھی؟''

نرسیں سٹریچر پر لیٹے زخمی آدمی کی طرف بڑھیں تو اس کی بیوی نے اس کے کندھوں کو اپنے بازوؤں سے چھپا لیا جیسے اسے خطرہ ہو کہ اب کا گیا ہوا لوٹے گا ہی نہیں۔ نرس نے اسے تسلی دی ''روؤ، مت تمہارا شوہر بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ کل تک وہ گھر واپس لوٹ آئے گا''

عیسیٰ کو اس بات کا یقین نہ آیا کیونکہ آدمی بالکل قریب المرگ دکھائی دیتا تھا۔

نوجوان اور ایمبولینس ڈرائیور نے سٹریچر اٹھایا تو سکھوں سے بھری دو لاریاں گرد اڑاتی ہوئی وہاں سے گزریں۔ نرسوں کے ایمبولینس میں بیٹھنے کے بعد ایمبولینس بھی سنٹرل ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئی۔ عیسیٰ نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آیا۔ صمدی بھی اپنے گھر لوٹ گیا تھا۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ بس دو تین لوگ اپنے اپنے گھروں کے آگے سڑک کو قریب و دور سے دیکھ رہے تھے۔ عیسیٰ نے ہمت مجتمع کی اور باڑ کے ساتھ ساتھ چلتا سکول کے رستے پر ہو لیا۔ اس کا ذہن بہت منتشر تھا۔ ابھی پیچھا کیے جانے کے صدمے سے ہی باہر نکل نہیں پایا تھا کہ انسانی قتل و خون کا تماشا دیکھنا پڑا اور یہ سارا قتل و خون، صرف ایک خاندان کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے تھا مگر کیوں؟ اس سوال کا جواب عیسیٰ کے فہم سے باہر تھا۔ اس کے معصوم اور مہربان دل میں ایسی سوچ کا گزر بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی کا خون یوں بھی بہایا جا سکتا ہے۔ زخمی شخص کے خون نے جو اس کی قمیص پر سوکھ رہا تھا، اسے خوف اور متلی میں مبتلا کر دیا تھا۔ کمروں سے باہر کھڑے لوگ اس سے واقعات کی تفصیل پوچھ رہے تھے لیکن وہ انہیں کچھ بتا نہیں پا رہا تھا۔ اسے تو اندر کے انتشار نے بدحال کر رکھا تھا۔

سکول پہنچ کر معلوم ہوا کہ بہت سے شاگرد غیر حاضر ہیں۔ صرف دو استاد تھے اور وہ بھی واپسی کو تیار تھے۔

''تم لوگ گھر کیوں جا رہے ہو؟'' عیسیٰ نے پوچھا۔

''ہماری کلاس کے صرف پانچ بچے آئے ہیں اور کسی جھگڑے کی بھی توقع ہے''

عیسیٰ جلدی سے اپنے کلاس روم کی طرف گیا جو بالکل خالی تھا۔ اس نے دراز سے نمبر لگنے والی مشرق کی کاپیاں نکالیں۔ تین پر نمبر لگا کر ہی وہ تھکن محسوس کرنے لگا تو

MashalBooks.org

کاپیاں ایک طرف کر کے خالی الذہن بیٹھا سرخ روشنائی سے میز پر بچھے کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتا رہا۔تھوڑی دیر وہ اس شغل میں مصروف رہا۔ پھر ایک دم اسے جھرجھری سی آئی، گھبرا کر اس نے قلم نیچے پھینک دیا۔قلم کی سرخ روشنائی نے اسے زخمی چینی کا خون یاد دلایا تھا۔

عیسیٰ نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا اور دھیرے دھیرے سسکتا رہا۔ اسے خود پتہ نہیں تھا لیکن وہ اس خوف کے ردعمل کا شکار ہو گیا تھا جسے وہ ابھی تک اپنے زعم میں دبائے بیٹھا تھا۔ اب وہ خوف بہروپ بدل بدل کر اس کے سامنے آ رہا تھا۔ آنے والے دن خوفناک تھے اور ایک دبیز دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔ سب کچھ لاینحل تھا۔ بیوی اور بچے کے تحفظ کا مسئلہ، ہر لمحہ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور اس کی ناہموار آمدنی، دکان پر دو مہینے سے ادھار چل رہا تھا، مکان کا کرایہ تین ماہ سے واجب الادا تھا۔ بیوی کا زیور رہن رکھا جا چکا تھا۔عیسیٰ نے میز پر سر رکھ دیا جیسے کوئی خود سے منہ زور طاقت کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔

ڈسٹرکٹ کونسل کے ریٹائرڈ چیئرمین قمرالدین کیبون سری میں واقع اپنے بہت بڑے گھر کے پچھلے ٹیرس پر بیٹھے کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔ وہ ساٹھ برس کے پیٹے میں تھے اور اپنے بہت سے ہم عمروں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا کرنے اور رعب جمانے کے عادی تھے۔ ابھی ابھی کافی میں چینی کم ہونے پر نوکر کو ڈانٹ چکے تھے۔ دراصل چینی کی قلت ہونے کے سبب چینی بازار میں دستیاب نہ تھی اور ملازم بروقت خرید کر ذخیرہ نہ کر سکا تھا۔ لہٰذا جار میں صرف ایک چمچ چینی تھی جبکہ قمرالدین زیادہ میٹھا پینے کے عادی تھے۔

صبح جب گنگ جکسا میں گولی چلنا شروع ہوئی، قمرالدین کافی میں اپنا غصہ ڈبونے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس میں کامیابی تو کم ہوئی لیکن اس نے ان کے سرد پڑتے خون اور جسم کو تھوڑی سی حرارت ضرور پہنچائی۔ گولیوں کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ ہاتھ میں پکڑا کافی کا کپ لرزا تو ان کے پاجامے پر ایک قطرہ کافی گر گئی۔

''لعنت'' وہ غرائے ''یہ ہر صبح چاند ماری کیوں شروع ہو جاتی ہے۔ دنیا ختم ہونے کو ہے۔ ہر ایک پاگل ہو گیا ہے۔''

ایک آہ بھر کر انہوں نے جنگ سے پہلے کے دنوں کو یاد کیا جب وہ ڈسٹرکٹ

کونسل کے چیئر مین تھے۔ تب زندگی کتنی آسان تھی خصوصاً ان جیسے سرکاری افسروں کے لئے۔

انہوں نے کپ ہاتھ سے رکھتے ہوئے میز پر مکا مارا۔ ان کے ہاتھ پر جھریاں تو تھیں لیکن وہ ابھی تک مضبوط تھا۔ ملازم کے آنے سے پہلے ایک نوجوان بھاگتا ہوا اندر آیا اور اس نے اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کرلیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ قمرالدین چلائے ''حاضل''

نوجوان بھاگتے بھاگتے رکا اور پیچھے مڑ کر دیکھا

''تم کہا جارہے ہو؟'' قمرالدین نے پوچھا اور بیٹے کو جواب کا موقع دیئے بغیر بولتے چلے گئے۔

''کیا تم لڑائی میں شامل ہونا چاہتے ہو؟ میں کتنی بار منع کر چکا ہوں۔ اس جھگڑے سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ کیا تم سمجھتے ہو اس ایک ریوالور سے جنگ جیت جاؤ گے؟'' پھر جیسے انہیں کچھ یاد آ گیا ''تو تم نے ابھی تک اس پستول کی جان نہیں چھوڑی؟ ایک ہفتہ پہلے میں نے تمہیں منع کیا تھا ضدی لڑکے؟ کیا مرنے کا ارادہ ہے؟''

ساٹھ برس کے قمرالدین کو بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ لاکھ سابق چیئر مین ڈسٹرکٹ کونسل سہی لیکن ان کا بیٹا ان کی رتی بھر بات نہیں مانتا۔ وہ اس بات پر شدید برہم تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ صبح کافی میں چینی بھی کم تھی۔ کرسی سے اٹھ کر وہ بیٹے کے پاس گئے اور حکم دیا۔

''یہ ریوالور مجھے دو دو''

حاضل ایک قدم پیچھے ہٹا پھر بولا

''نہیں ابا! ہمیں آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔''

''آزادی! بکواس! تم سب نوجوان پاگل ہو پاگل، کیا تمہارا خیال ہے تم ولندیزیوں کو شکست دے سکتے ہو؟ یہ ساری بغاوت تم لوگوں کا سرپھرا پن ہے۔''

یہ کہتے ہوئے قمرالدین بیٹے سے ریوالور لینے کے لئے لپکے لیکن وہ تیزی سے باہر بھاگ گیا۔ گھر کے گیٹ کے پاس کھڑا وہ سڑک کا جائزہ لے رہا تھا جب قمرالدین کی ملتجی چیخ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''حاضل واپس آؤ''

اس پکار میں خفگی سے بڑا کوئی اور جذبہ بھی تھا۔ بیٹے کے لئے باپ کی محبت، جسے احساس تھا کہ اس کا بیٹا موت سے الجھنے جا رہا ہے۔ پھر قمر الدین کا اپنا خوف بھی تھا۔ بدلتے ہوئے وقتوں کا خوف، بدلتے ہوئے بیٹے کا خوف، جسے وہ سمجھنے سے معذور تھے۔ ان کی سمجھ میں تو یہی بات نہیں آئی تھی کہ آخر لوگوں کو ولندیزی حکومت دوبارہ منظور کیوں نہیں حالانکہ اگر ولندیزی لوٹ آئیں تو سب کچھ نارمل ہو جائے گا۔ انہیں اپنی پنشن دوبارہ ملنے لگی گی بلکہ شاید ملازمت بھی دوبارہ مل جائے اور اس کے ساتھ وہ پہلے والی سہولتیں اور شان وشوکت بھی پلٹ آئے۔ بہت دفعہ اس موضوع پر وہ اپنے ساتھیوں سے بات چیت کر چکے تھے اور وہ سب بھی ان سے متفق تھے۔

سڑک خالی دیکھ کر حاضل نے تیزی سے اسے عبور کر لیا اور اپنے گھر کے سامنے والے گھر کے سامنے آ گیا پھر تیزی سے بھاگتا ہوا مرکزی سڑک کے پیچھے کے کمپلیکس میں غائب ہو گیا۔ وہ جوں جوں تنگ گلیوں میں بھاگتا گیا گنگ جان میں گولیاں چلنے کی آواز دور ہوتی گئی۔

ہاتھ میں بانس کا نیزہ اٹھائے ایک نوجوان نے اسے باڑ کے پیچھے سے پکارا

''حاضل''

حاضل دوڑتے دوڑتے رک کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

''کہاں؟ کہاں جانا ہے؟''

''صرف گنگ جکسا تک'' نوجوان نے سیٹی بجائی تو تین اور نوجوان گھر کے پیچھے سے نکل آئے۔ تینوں کے ہاتھوں میں بانس کے نیزے تھے سب نے رشک اور فخر سے حاضل کے ریوالور کو دیکھا۔ حاضل نے مشورہ دیا۔

''چلو گنگ جکسا چلتے ہیں''

اپنے درمیان ایک ریوالور دیکھ کر نوجوانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ جب وہ گنگ جکسا پہنچے تو دیکھا، ولندیزی انتظامیہ

NICA (Netherland Indies civil Administration)

کے سپاہیوں کا ٹرک ہر طرف گولیاں برسانے کے بعد جا چکا تھا اور دامرہ کے

MashalBooks.org

سٹال کے باہر چھوٹا سا ہجوم تھا۔

''شاید یہ پاک دامرہ ہے'' نوجوانوں میں سے ایک بولا۔ حاضل نے زخمی سائیکل رکشا والے سے پوچھا کہ کس نے یہ گولیاں برسائیں اور کتنی؟ سائیکل رکشا والا کراہتے ہوئے کچھ بتاتا رہا۔ اس کی ٹانگ سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔

MashalBooks.org

(2)

دیوار پر لگے گرد آلود پرانے کلاک نے گیارہ بجائے تو عیسیٰ نے کسمسا کر اپنا قلم اور پنسل میز پر رکھے۔ وہ ابھی ابھی طالب علموں کا ہوم ورک دیکھ کر فارغ ہوا تھا۔ نوٹ بکس جمع کر کے اس نے احتیاط سے ڈسک کی دراز میں رکھیں۔ ایسا کرتے ہوئے اسے چاروں پیکٹ دکھائی دے گئے ہر پیکٹ میں پچاس نوٹ بکس تھیں، جو سب کی سب چیک ہونا تھیں۔

اس نے سناٹے کی آواز سنی۔ سارا سکول بالکل خاموش تھا۔ دوسرے سب استاد گھروں کو جا چکے تھے۔ کچھ اپنا کام بھی ساتھ لے گئے تھے کہ گھر پر ختم کریں گے۔ عیسیٰ کے سر میں شدید درد تھا۔ نوٹ بکس کو دیکھ کر اسے ایک خیال آیا کہ کھلے بازار میں نوٹ بکس کی قیمت کافی زیادہ ہے اور گھر میں ایک کوڑی نہیں۔ اگر وہ ایک بنڈل لے جا کر بازار میں بیچ دے تو گھر کے لئے چاول تو ہی آ سکتے ہیں کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔

یہ خیال آتے ہی عیسیٰ اپنی ہی نظروں میں گر گیا، کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ چوری کرنیکا اردہ اس کے ذہن میں آئے وہ دوبارہ نہ للچا جائے۔ چند لمحے وہ ہاتھ پر ٹھوڑی جمائے بیٹھا رہا۔ پھر ڈیسک پر رکھا چکنا سا گلاس اٹھا کر دیکھنے لگا، گلاس کو صابن سے دھلے عرصہ ہوگیا تھا۔ اسے اٹھائے وہ کلاس روم کے پچھواڑے نل کے پاس گیا۔ کچھ نہ کھانے کی وجہ سے اس کا معدہ گڑگڑ کر رہا تھا۔

اس نے گلاس پورا بھر کر اوپر اٹھایا جیسے اپنا جام صحت نوش کر رہا ہوں اور بڑے بڑے گھونٹ بھر کر غنا غٹ پی گیا پھر ایک اور گلاس بھر کر پیا۔ آدھا گلاس بھر کر اس نے ہاتھ اس میں ڈال کر اپنے حساب میں اسے دھویا اور میلا پانی گھاس پر پھینک دیا۔ گلاس اوپر کر

MashalBooks.org

کے دیکھا اور خود کو تسلی دی، اب یہ صاف ستھرا ہے۔ بائیں ہاتھ سے معدہ تھپتھپاتے ہوئے وہ واپس کلاس روم میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ جیسے کہہ رہے تھے ''خوب شور مچاؤ۔ تمہارا پیٹ اب بھرا ہوا ہے۔ صبح سے عیسیٰ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ پانی پی کر اسے لگا کہ جسم میں کچھ طاقت لوٹ آئی ہے اور سر درد بھی ختم ہو گیا ہے۔ اس نے خود کو بہلایا چلو خدا کا شکر ہے، یہ سب تکلیف کسی بیماری سے نہیں صرف بھوک کی وجہ سے تھی۔ اس خیال نے اسے تقویت دی، کلاس روم کو لوٹتے ہوئے اس کے قدم زیادہ پر اعتماد تھے جیسے کلاس روم شاگردوں سے بھر گیا ہو۔ مگر وہ ابھی اسی طرح خالی اور ویران پڑا تھا، اس سناٹے نے اسے دلبرداشتہ نہیں کیا۔ وہ سیٹی پر بچوں کے اس گیت کی دھن گنگنانے لگا جو اس نے اپنی کلاس کے لئے بنائی تھی۔ بہت سادہ سی مگر دل کو چھوتی ہوئی دھن، عیسیٰ نے سوچا ''سچائی میں سادگی ہے اور سادگی میں سچ'' الماری کھول کر اس نے اپنا وائلن کیس نکالا جو پرانا ہونے کی وجہ سے کونوں سے گھس گیا تھا۔

وائلن نکال کر اس نے رومال سے اس کو اچھی طرح جھاڑا پونچھا۔ ایک لمحے کو وہ سارا زمانہ اس کی نظروں میں گھوم گیا جب وہ بندونگ کے ٹیچرز کالج میں داخل ہوا تھا۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے اپنے استاد بننے کی ساری تفصیلات اسے یاد آ گئیں۔ وہ دن کچھ بہت پرانے بھی نہیں تھے۔ اس وقت وہ اکتیس برس کا تھا اور ایک رات پہلے وہ پینتیس برس کا ہو چکا تھا۔ لیکن ''پہلے'' کا آخر کیا مطلب تھا؟ کیا اسے عمر کا پینتیسواں برس پسند نہیں آیا ''عمر کا یہ مرحلہ تو بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ نہ انسان اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اسے اپنے فیصلوں کی ناپختگی پر بار بار پچھتانا پڑے اور نہ اتنا بڑا کہ اسے بہت سے ارادوں کی تکمیل کا وقت ہی نہ ملے اور صرف یہ پچھتاوا باقی رہ جائے کہ میں نے یہ کیوں نہیں کیا؟'' شاید جاپانی قبضے میں رہنے اور پچھلے مہینوں کی بے چینی سہنے کی وجہ سے میں خود کو عمر سے بڑا محسوس کرتا ہوں'' اس نے سوچا اور اپنا وائلن دیکھ کر مسکرایا۔ ٹھوڑی کے نیچے اسے رکھ کر وہ اپنا ترتیب دیا ہوا گیت گانے لگا جو وہ پہلے بھی بارہا گا چکا تھا۔ پھر غیر ارادی طور پر ایک بالکل مختلف دھن بجانے لگا۔ کچھ سر اسے ابھی تک یاد تھے۔ شوپاں اور شوبرٹ کی موسیقی میں کچھ ایسی بات تھی جو اس کے دل کے تار چھیڑ دیتی، اس میں ایسے انجان جذبے جگا دیتی جن کا تجزیہ کرنا یا انہیں الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا تھا۔

MashalBooks.org

دھن بجاتے ہوئے اس کے خیالات ادھر ادھر بھٹک رہے تھے کبھی خیال بیوی کی طرف چلا جاتا، کبھی خالی جیب کی طرف، کبھی چاولوں کی طرف، جن کا خریدنا ابھی ایک بہت بڑا مرحلہ تھا۔ کیا فاطمہ کو دکان سے ادھار چاول مل جائیں گے؟

بیوی کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے ٹین یاد آ گئی۔ ٹیچرز کالج میں اس کی ساتھی۔ طالب علمی ہی سے وہ اسے بہت پسند کرتا تھا۔ ''وہ آج کل کہاں ہو گی؟ ایک زمانے سے اس کی کوئی خبر ہی نہیں'' ٹین کے ساتھ گزرے لمحات یاد کر کے وہ مسکرایا۔ وہ لمحات جو بیت چکے تھے اور جن کے لوٹ آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ان لمحات کی یاد سے اسے بہت تسکین ملی۔ ایک پل کو اس نے وائلن بجانا بھی روک دیا۔ اسے اپنے والد یاد آئے جو اس کی شادی کے فوراً بعد فوت ہو گئے تھے۔ باپ کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے فاطمہ سے اپنی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔ فاطمہ اس کے ایک چچا کی بیٹی تھی جن سے دور دراز رہنے کے سبب عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ فاطمہ سے وہ پہلی نظر میں متاثر ہو گیا تھا، اس حد تک کہ وہ ٹین کو بھول گیا۔ عیسیٰ اس ملاقات کی یادوں میں کھو گیا۔ پھر مسکرایا اور ایک طرف رکھا وائلن اٹھا کر سوپاں کی ایک دھن بجانے لگا۔

''یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں کیا سوچے جا رہا ہوں؟ بس پرانی باتیں۔ ماضی ہی ماضی'' ایک دم وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا۔ جالان آسام لامہ میں ہونے والا کشت و خون، زخمی چینی کا بہتا ہوا خون اور خود کو تصور میں گولی لگنے کی ناگوار سوچ نے اسے ایک بار پھر اداس کر دیا۔ عیسیٰ نے ان سوچوں سے نجات پانے کے لئے کندھے جھٹکے، پھر سر کو طوفانی انداز میں ہلایا، جیسے ایسا کرنے سے ذہن سچ مچ آزاد ہو جائے گا۔

اکثر لوگوں کی طرح انقلاب کے ابتدائی دنوں میں عیسیٰ کو بھی اس انقلاب میں اپنی حیثیت یا ذمہ داری کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ ابھی تک وہ ایک رو کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ خیالات اور جذبات کی رو جو اس کے اردگرد بہہ رہی تھی۔ وہ علاقے کی گارڈ کا ممبر بھی تھا۔ استاد ہونے کی وجہ سے وہ پیپلز سکیورٹی کمپنی کا ڈپٹی چیئرمین اور پیپلز سیفٹی کا مشیر بھی بنا دیا گیا تھا لیکن آج پہلی دفعہ اس نے انقلاب کا رخ اور وہ بھی نوکیلا رخ سامنے سے دیکھا تھا۔ بہتا ہوا انسانی خون، اگر کوئی اس سے کہتا کہ وہ دراصل اندر سے خوفزدہ ہے تو وہ ناراض ہوتا۔ وہ خوفزدہ تو تھا مگر اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ یوں بھی بات خوف سے

آگے کچھ اور تھی۔ بچپن کی ننھی ننھی لڑائیوں کے بعد سے آج تک نہ اس نے کسی پر تشدد کیا تھا اور نہ اس پر تشدد کیا گیا تھا۔ آج تک نہ اس نے کسی کو مارنے کے لئے مٹھی بھینچی تھی اور نہ کسی کے مکے نے اس کا چہرہ زخمی کیا تھا۔ وہ سچ مچ امن کا پیامبر تھا، صلح و آشتی کا نمائندہ۔ اس کے تشدد کا تجربہ صرف فلموں اور کتابوں تک محدود تھا۔

کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی میں تو وہ پرامن ہی ہوتے ہیں لیکن تصور میں خود کو ہیرو، چیمپئن باکسر، سراغرساں، جرأت مند، پولیس افسر اور بہت جری نشانہ باز دیکھتے ہیں لیکن عیسیٰ اپنے تصور میں بھی بہت ہی پرامن شہری تھا۔ دنیا میں کسی کے خلاف بھی تشدد نہ کرنے والا۔ تشدد سے اس نفرت نے پچھلے برسوں میں اسے ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ جاپانی قبضے کے دوران ہونے والا سلوک اس کے لئے جسمانی سے زیادہ ذہنی طور پر بہت اذیت ناک تھا۔ اس دوران وہ کبھی ان لوگوں کے جوش و خروش کا ساتھ نہ دے سکا جو کی بودان اور پیٹا میں شامل ہونے کی باتیں کرتے تھے۔ خصوصاً جب وہ کیدو بوتائی اور جیا کوتائی کے قصیدے سنتا تو یا تو بہرا بن جاتا یا وہاں سے چلا جاتا۔ اسے لگتا جیسے یہ لوگ کسی اجنبی زبان میں کسی اور دنیا کی باتیں کر رہے ہیں جو اس کی فہم سے بالاتر ہے (یہ چاروں انتہا پسند جاپانی تنظیمیں تھیں)۔

عیسیٰ نے دیواری کیلنڈر کو دیکھا۔ چند ماہ بعد ہم اپنی شادی کی سالگرہ منائیں گے۔ ۵ جنوری کو عیسیٰ نے اپنی سہاگ رات کو یاد کیا۔ چند لمحوں کے لئے مسکرایا مگر پھر فوراً ہی اس کا چہرہ بجھ گیا۔ اسے شادی کے چھ ماہ بعد کا واقعہ یاد آیا جب اسے پہلی مرتبہ اپنی بیوی کے سامنے شرمسار ہونا پڑا۔ کچھ دیر سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسکی مردانگی کمزور پڑ رہی ہے۔ شادی سے پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا، جیسے کسی سوراخ والے ڈبے سے سارا پانی رس جائے۔ اگلی رات بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کی بیوی کے ردعمل میں شدید حقارت گھلی ہوئی تھی۔ اگلی رات، اس سے اگلی رات اور پھر اب تک وہی صورت حال تھی۔ اس کا ذہن سخت منتشر تھا۔ بیوی اس سے بالکل بے نیاز ہو چکی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح ان کی شادی چل رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس بھی گیا جس نے اسے بتایا کہ اس کی نامردگی جسمانی کے بجائے کسی نفسیاتی الجھن کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج صرف اس کے اپنے ذہن میں یا کسی ایسے واقعے میں ہے جو اس کے ذہن کو اس احساس کمتری سے رہا کر دے لیکن ایسا کرنا اس

MashalBooks.org

کے اختیار سے باہر نظر آتا تھا۔ تب سے اب تک بالکل غیر محسوس طریقے سے اس کی شخصیت میں بے شمار تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی بیوی نے بہت اذیت جھیلی ہے۔ اپنے زندگی سے بھرپور جسم کی فطری خواہشات کو اس نے دبایا ہے۔ کبھی کبھی اس کی خواہش شدید ہو جاتی لیکن عیسیٰ کے پاس اس کے دکھ کا کوئی علاج نہ تھا۔ اس ناکامی پر عیسیٰ کی ذہنی اذیت اور بھی بڑھ جاتی ہر قسم کا علاج بے اثر ثابت ہوا تھا اور اب بظاہر دبا ہوا یہ مسئلہ اس کی ذات کو، اس کے نقطہ نظر کو اور دنیا کے لئے اس کے رویوں کو بری طرح کھوکھلا کر رہا تھا۔

جب اس کی بیوی نے بچہ گود لینے کا فیصلہ کیا تو گھر میں بہت ہنگامہ ہوا۔ عیسیٰ کا ظاہری اعتراض تو یہ تھا کہ گھر کے اخراجات میں بہت اضافہ ہو جائے گا لیکن لاشعور کی گہرائی میں دراصل یہ بچہ اس کی شکست کی علامت تھا۔ عیسیٰ بضد تھا کہ بچہ گود نہ لیا جائے لیکن فاطمہ کے یہ کہنے پر کہ میں تم سے کسی بچے کی امید نہیں کر سکتی، اس نے شرم اور بے بسی سے سر جھکا دیا اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا اور یوں سال بھر پہلے چار سال کا بچہ سلیم ان کی زندگی میں بچے کا خلا پر کرنے چلا آیا۔

عیسیٰ اپنے بہت سے جذبات کی تفصیل سے بے خبر تھا لیکن اس کی مایوسی بہت سے اور طریقوں سے ظہور کرتی تھی مثلاً اس نے وائلن بجانا بند کر دیا اور وہ معصوم سی خوشی جو خالی پیٹ میں صرف دو گلاس پانی ہونے پر بھی ابھر آئی تھی، غائب ہو گئی، جیسے چمکتی چنگاریاں راکھ میں بدل جائیں۔ کمرہ بھی بہت اداس ہو گیا۔

چھت سے سرگوشیاں کرتی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔ عیسیٰ کا دل چاہا کہ کلاس روم ایک دم شور مچاتے شریر بچوں سے بھر جائے۔ اس نے سر جھٹک کر ندامت اور بے یقینی کے جذبات سے نجات پانے کی کوشش کی بلکہ اپنے آپ کو دوبارہ وائلن بجانے پر مجبور کیا۔ اس نے شوپاں کا رزمیہ نغمہ بجایا۔ جذبات کی ایک طغیانی آئی جیسے ایک طوفان آ گیا ہو!

کمرے کی اداسی کو سر کے ہیجان نے دبا دیا۔ اس کے بعد اس نے دائمی سکون اور حسن کا مظہر سر چھیڑا اور اس میں ڈوب گیا

''عیسیٰ! عیسیٰ!''

عیسیٰ نے کسی کو اپنا نام پکارتے نہیں سنا۔

MashalBooks.org

''عیسیٰ!''

اس نے پھر نہیں سنا جب تک آنے والے نے اس کا کندھا نہیں تھپتھپایا اسے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا۔ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے پر اسے صالح نظر آیا۔

''صالح!'' وہ خوشی سے چلایا۔ اپنے چونکنے اور خوش ہونے کی وجہ سے اسے خود بھی معلوم نہیں تھی۔

''کوئی بچہ نظر نہیں آ رہا'' صالح نے کہا، اس کے فقرے میں سوال نہیں، محض ایک سادہ بیان تھا۔

''میں بھی دیر سے آیا۔ جب پہنچا تو سکول خالی تھا۔ شاید جالان آسام لامہ کے ہنگامے کی وجہ سے'' عیسیٰ نے جواب دیا۔

''ہمارے دوسرے شریک کار؟''

''حامد اور زبیر گھر چلے گئے''

''میرے گھر کی تلاشی ہوئی، بس ایک گھنٹہ پہلے''

''کوئی گرفتار بھی ہوا؟''

''نہیں''

وہ خاموش ہو گئے، پھر صالح نے میز سے گلاس اٹھایا اور نل سے پانی لینے چلا گیا۔

''اس بارش سے تو مجھے سردی لگ جائے گی۔''

عیسیٰ جواب دیے بنا بیٹھا رہا۔

''ایک لمبے عرصے سے میں نے تمہیں اس طرح وائلن بجاتے نہیں سنا'' صالح نے واپس آ کر کہا۔ آدھا بھرا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ عیسیٰ دھیرے سے مسکرایا اور سوچا ''کیا میں اپنے صبح والے منتشر خیالات صالح کو بتا دوں؟''

''شوپاں پیانو پر زیادہ اچھا بجایا جا سکتا ہے'' عیسیٰ نے کہا اور سوچا کہ اگر میں اپنی ساری پریشانی اور شکوک صالح کو بتا دوں تو وہ مجھ پر ہنسے گا۔

''تم موسیقی کے بارے میں بات کرتے ہوئے تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ جاری

رکھو‘‘ صالح نے کہا۔

’’بجاؤ؟‘‘

’’ہاں‘‘

’’آج صبح میں نے ایک شخص کو سکھوں کے ہاتھوں مرتے دیکھا‘‘ عیسیٰ صبح کا ذکر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ’’ذرا سوچو! یہ سب کچھ صرف ایک خاندان کی نقل مکانی کے لئے ہوا اور وہ بھی صرف ایک غلط فہمی کی بنیاد پر بغیر کسی وجہ کے ایک انسان مار دیا گیا‘‘

’’ایسا کیوں ہوتا ہے؟‘‘ صالح عیسیٰ کی ساری بات سن کر بس یہی کہہ سکا۔ جواباً عیسیٰ نے کندے اچکائے اور اس کی انگلیاں وائلن کے تاروں کو چھونے لگیں۔

’’پھر بجاؤ‘‘ صالح نے کہا۔ عیسیٰ نے وائلن اٹھا کر ٹھوڑی تلے دبایا اور ایک بار پھر شوپاں کا (Heroic Polonatse) بجایا۔

’’یہ بھی ایک کھوکھلی آواز ہے‘‘ عیسیٰ نے سوچا، ’’میں ایک چوتھے درجے کا موسیقار ہوں۔ موسیقی میں زندگی اور روح نہیں پھونک سکتا۔‘‘ ایک لمحے کے لئے وہ بالکل دل شکستہ ہو گیا۔ ’’میں زندگی میں کبھی کامیاب نہیں رہا، نہ بطور شوہر کے، نہ بطور استاد کے، اور نہ ہی بطور موسیقار کے۔‘‘

اس نے صالح کی طرف دیکھا جو سننے میں منہمک تھا۔ انسان کو صالح کی طرح ہونا چاہیے۔ نہ چیزوں کو زیادہ گہرائی میں دیکھے نہ چھوٹی چھوٹی باتیں دل اور دماغ سے لگائے۔ زندگی کو اس کے فطری بہاؤ کے ساتھ قبول کر لے۔ زیادہ سوال نہ پوچھے مشین کی طرح کام کرے۔ صبح کلاس میں داخل ہو کتاب کھول کر پڑھانا شروع کر دے۔ کاپیوں پر نمبر لگائے۔ شریر بچوں کو سزا دے، کھائے، سوئے، اخبار پڑھے۔ اخبار میں چھپی رپورٹوں اور مضامین سے پریشان نہ ہو اور رات کو اپنی بیوی یا کسی اور عورت کے ساتھ سو جائے۔ اتوار کو بچے کو گھٹنے پر بٹھائے، برآمدے میں بیٹھ کر باڑ کی دوسری طرف کے ہمسایوں سے کسی اور ہمسائے کی برائیاں کرے۔

اس نے محسوس کیا کہ گیت بے جان ہو رہا ہے مگر وہ بجاتا رہا۔ دھن ختم ہوئی تو اس نے صالح کو تالیاں بجاتے سنا۔

’’واہ یہ کیا دھن تھی؟‘‘

MashalBooks.org

''شوپاں مگر میں اسے زیادہ اچھا بجا نہیں سکتا''

''اچھا؟ مگر یہ تو بہت اچھا تھا''

''ہاں شاید! مگر اس گیت میں جو روح شوپاں نے سموئی تھی، وہ میں پیدا نہیں کر پاتا.....اپنے وطن کی محبت میں جلتی ہوئی آگ.....طوفان کے جھکڑ کی طرح طاقتور جذبہ.....کاش میں بھی شوپاں کی طرح بجا سکتا''

عیسیٰ نے وائلن کو میز پر رکھ دیا۔ الماری میں رکھتے وہ ایک دم رک گیا..... اس نے سوچا وہ اسے گھر لے جا کر بجائے گا اور الماری کو تالا لگا دیا۔

''ہم گھر واپس چلیں؟'' اس نے صالح سے پوچھا۔ ''مجھے لگتا ہے آج کوئی نہیں آئے گا اور بچے تو اب آئیں گے ہی نہیں۔

صالح نے اثبات میں سر ہلایا۔ عیسیٰ دربان کو سکول بند کرنے کا کہنے لگا۔ صالح اپنی سائیکل پر سوار ہو کر چلا گیا اور عیسیٰ جالان آسام لامہ کے بس سٹاپ کی طرف پیدل چلا۔ بسیں دوبارہ چلنے لگی تھیں۔ وہ ہمیشہ چلتی رہتیں صرف ہنگاموں میں کچھ دیر کے لئے بند ہوتیں، پھر چلنے لگتیں بسوں کی باہر کی دیواریں انگریزی میں لکھے نعروں سے بھری تھیں۔''

آزادی ہر قوم کا پیدائشی حق ہے''.....مگر کوئی انڈونیشی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔''

بس میں کچھ لوگوں نے اس کے وائلن کو نفرت سے دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ وحشت کے ان دنوں میں یہ کون پاگل وائلن اٹھائے پھر رہا ہے، یہ تو ہتھیار اٹھانے کے دن ہیں۔ جن لوگوں نے خود بھی ہتھیار نہ اٹھایا ہو وائلن اٹھانے والے کا تمسخر اڑانا ان کے لئے آسان تھا۔

رات کو سونے کے لئے جانے سے پہلے پھر ''خبردار رہو، خبردار رہو'' کی بھیانک آوازوں نے سب کو چونکا دیا۔ اسکے ساتھ ہی ایک نوجوان کے بھاگتے قدموں کی آواز بھی سنائی دی۔ آدھ گھنٹے تک سب دم سادھے بیٹھے رہے لیکن اور کچھ نہیں ہوا۔ عیسیٰ کی بیوی کئی دفعہ اسے ناراضگی سے کہہ چکی تھی کہ وہ بھی ہمسایوں کے ساتھ حفاظتی گشت میں حصہ لیا کرے لیکن عیسیٰ اتنا بہادر نہیں تھا کہ صرف، ایک بانس کا نیزہ اٹھائے رات کی اس تاریکی میں گھر سے باہر نکل پڑے، اسے تو نیزہ بھی اس کے شاگردوں نے بنا کر دیا تھا۔

MashalBooks.org

''ہمسایوں نے تمہیں بزدل سمجھنا شروع کر دیا ہے کیونکہ تم حملے کے وقت کبھی باہر نہیں نکلتے'' اس کی بیوی نے کہا۔

عیسیٰ گھٹنے سینے کے ساتھ لگائے چپ چاپ بیٹھا رہا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ کافی دیر ان کی خواب گاہ میں خاموشی رہی۔ پھر عیسیٰ نے آہستہ سے بیوی کو پکارا ''فاطمہ'' اس کی بیوی نے، جو ابھی جاگ رہی تھی، سنی ان سنی کر دی۔ عیسیٰ کو معلوم تھا کہ وہ جاگ رہی ہے لیکن اس نے اور کچھ کہنے کی جرأت نہیں کی۔

اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب سو گیا۔ خواب میں اس نے جالان آسام لامہ پر قتل و غارت کو دوبارہ دیکھا اور سب کچھ اتنا واضح جیسے سینما سکرین پر دیکھ رہا ہو ''خبردار رہو، خبردار رہو'' کی آوازیں سنیں، گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور چینی خون میں نہا گیا۔ پھر اس نے خود کو زخمی چینی کے پاس دبکے بیٹھے دیکھا۔ چینی نے جب سر گھما کر اوپر دیکھا تو عیسیٰ خواب میں زور سے چیخا کیونکہ چینی کے بدن پر اس کا اپنا چہرہ تھا۔ لہو میں ڈوبا ہوا چہرہ! عیسیٰ جاگ گیا۔ پسینے میں تر بتر، چوری چوری اس نے بیوی کی طرف دیکھا، جو گہری نیند سو رہی تھی۔ نیند میں اس کی خوبصورت چھاتیاں سانس کی آمد و رفت کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہی تھیں اور اس کے بھرے بھرے ہونٹ نرمی سے بند تھے۔ ایک پل کو اس کا جی چاہا کہ وہ فاطمہ سے لپٹ جائے لیکن اس نے خود کو ایسا کرنے سے روک لیا اسے خوف تھا کہ فاطمہ اسے دھتکار دے گی۔ وہ عموماً ایسا ہی کرتی تھی وہ اٹھا اور اپنے نقلی دانت ایک گلاس میں رکھ دیئے۔ سامنے کے تین نچلے دانت، جو وہ اکثر اتارنا بھول جاتا۔ اگلی صبح اس بھول کے نتیجے میں اس کا منہ دکھنے بھی لگتا اور بہت گندی سی بو بھی آنے لگتی۔ رات بھر تنہائی اسے ڈستی رہی۔ ایک بہت اندھیری دنیا کی تنہائی، اس کی زخمی روح کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو اسکی محبت کے لئے ترستے ہوئے دل کو اپنی محبت کا یقین دلا سکتا۔

فاطمہ سوتی رہی۔

باہر رات بھر، صبح تک بار بار فائرنگ کا شور مچتا رہا۔ صبح تک عیسیٰ کی آنکھیں نیند کو ترستی رہیں۔ صبح ہونے پر تھوڑی دیر کو اس کی آنکھ لگ گئی۔

MashalBooks.org

(3)

نومبر

''وائلن بجاؤ'' تمہاری تکنیک نہ بے ساختہ ہے اور نہ مکمل ہے مگر تمہارے ہاں ایک توانائی ضرور ہے''۔عیسیٰ نے حاضل کی حوصلہ افزائی کی

''ہاں مجھے معلوم ہے'' حاضل نے کہا۔''مشق کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔''

''ایک بار پھر کوشش کرو۔ اپنے آپ کو اپنے ابھرتے اور ڈوبتے احساسات کے حوالے کر دو۔ اس کے بارے میں سوچو مت۔ اس کی روح میں ڈوب جاؤ اور تم ایسا کر سکتے ہو۔''

حاضل نے پھر سے وائلن بجایا۔

عیسیٰ کو سگریٹ کا وہ جلتا ہوا اور دھواں چھوڑتا ہوا ٹکڑا ناگوار گزر رہا تھا جو میز کے کنارے کی لکڑی کچھلسانے لگا تھا۔

اس نے حاضل کو اس بارے میں کئی بار سمجھایا تھا مگر وہ جلتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھنا بھول ہی جاتا تھا۔

فاطمہ نے بھی اسے کئی بار برا بھلا کہا تھا کہ وہ حاضل کو ایسا کرنے دیتا تھا۔ حاضل کو جب بھی اس کی بے احتیاطی یاد دلائی جاتی، وہ ہمیشہ معذرت کر لیتا تھا لیکن جب بھی اس نے سگریٹ ہاتھ میں لیا، وہ یہ احتیاط کرنا بھول گیا۔ حاضل مسلسل سگرٹ پیتا تھا جونہی ایک سگریٹ پی لیتا تھا، دوسرا جلا لیتا تھا۔ اس کے ناخن اور لمبی نازک انگلیاں نکوٹین سے داغدار تھیں، حاضل وائلن بجا رہا تھا اور عیسیٰ اسے دیکھ رہا تھا۔

MashalBooks.org

اسے دو مہینے پہلے کی ملاقات یاد آئی۔ گنگ او جودان میں شکار کے بعد کے دن .....کیبون سری میں نوجوانوں کا اجتماع تھا اور چونکہ وہ پیپلز سکیورٹی کمیٹی کا نائب چیئر مین تھا اس لئے اسے وہاں موجود رہنے کو کہا گیا تھا۔

دراصل وہ اس ذمہ داری سے اکتایا ہوا تھا اور ان میں شامل نہیں رہنا چاہتا تھا۔ راس کو آس پاس کے علاقے پر پہرہ دینے یا دفاع وغیرہ کے منصوبے سوچنے سے اسے کوئی تسکین نہیں ہوتی تھی۔ ان نوجوانوں کو ریوالور سنبھالے دیکھ کر اسے اپنا دل اپنے اندر سکڑتا محسوس ہوتا تھا۔ مگر وہ انکار کیسے کرتا؟ اگر وہ انکار کرتا تو مشکوک ٹھہرتا اور آس پاس کے علاقے میں اس کے ساتھ دشمن کا سلوک ہوتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے دشمن کا جاسوس سمجھ لیا جاتا اور اس کے نتائج بھگتنا پڑتے۔ وہ خوفزدہ تھا اور اسی لئے وہاں موجود تھا۔ اجلاس علاقے کے ایک مرکزی مکان میں عصر کی نماز کے بعد منعقد ہوا۔ مکان کے چاروں طرف نوجوان پہرہ دے رہے تھے جن کے پاس کلہاڑیاں اور بانس کے نیزے تھے۔ ان کا انداز اس طرح کا تھا جیسے دشمن کسی بھی لمحے حملہ آور ہوسکتا ہے۔ اسی لئے عیسیٰ جب اندر گیا تو بہت گھبرا رہا تھا۔

اسے اس جوشیلے اجلاس کے بارے میں کچھ یاد نہ تھا۔ ہر فرد نے آزادی کی خاطر موت کا مقابلہ کرنے اور اپنی جان قربان کرنے کی قسم کھائی تھی۔ حاضل ہتھیار رجع کرنے کے منصوبوں کے سلسلے میں سب سے زیادہ بولا اور جب اسے ہتھیاروں اور خطوں کے ساتھ جکارتا شہر کے اندر جانے کے لئے منتخب کیا گیا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ نوجوانوں نے اسے منتخب کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ وہ سکول کا استاد تھا اس لئے اس پر کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا۔

اس نے کمزور سے لہجے میں معذرت بھی کی مگر جب چاروں طرف سے اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ مان گیا۔

اجلاس سے واپسی پر اس نے اپنی بیوی کو بتایا:

''درحقیقت میں خوفزدہ ہوں'' اس نے کہا۔ ''میں کبھی اس طرح کی تنظیم میں شامل ہی نہیں رہا۔ ہتھیاروں کے معاملات میں الجھنا عجیب سا لگتا ہے مجھے تو ریوالور چلانا بھی نہیں آتا! اور اگر میں نہ مانوں تو تم جانتی ہو، لوگ کیا کہیں گے۔''

MashalBooks.org

فاطمہ نے جواب دیا۔ ''ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ کیا اتنے بہت سے لوگ شامل نہیں ہیں؟ اور اگر تم شامل نہیں ہوتے تو امید ہے کوئی بھی ہمیں جاسوس نہیں سمجھے گا۔ ویسے تم جانتے ہو بغیر کسی وجہ کے کسی کا گلا کاٹ دینا کتنا آسان ہوتا ہے۔''

عیسیٰ نے اپنا سر جھٹکا اور بولا ''میں ایک استاد ہوں، جنگ پسند نہیں ہوں۔

تب سے حاضل ان کے ہاں آنے لگا اور دو ماہ کے دوران آہستہ آہستہ ان میں ایک عجیب طرح کی دوستی ہوگئی۔

کبھی کبھی عیسیٰ ان جذبات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا جنہوں نے انہیں متحد کر رکھا تھا۔ حاضل دبلا پتلا مگر ایک آتشیں جذبے سے لبریز نوجوان تھا اور عیسیٰ اس صفت سے محروم تھا۔ خوش قسمتی سے ان دو ماہ میں جکارتا کے ایک علاقے سے دوسرے میں ہتھیار پہنچانے کی جرأت مندانہ ذمہ داری اسے نہیں سونپی گئی تھی۔ نوجوان اپنے ہتھیاروں پر شوق سے ہاتھ پھیرتے رہتے تھے اور کسی کو بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ ریوالور یا چند کارتوس یا دستی بم عیسیٰ کے حوالے کر دے۔

موسیقی نے ان کے درمیان دوستی پیدا کی۔ حاضل موسیقار تھا اس نے عیسیٰ کو اپنی کئی دھنیں سنائیں۔ عیسیٰ متاثر ہوا۔ حاضل کی موسیقی میں انتہا درجے کی توانائی تھی مگر یہ توانائی کوئی راہ نہیں پا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود حاضل کو اس توانائی کو آزاد کرنے کی راہ نہیں سوجھی تھی۔

وہ بار بار حاضل سے کہتا۔ ''تم اس توانائی کو آزاد کیوں نہیں کر دیتے؟'' مگر حاضل ہمیشہ جواب دیتا کہ وہ بہت پھنسا ہوا ہے اور بہت سی دوسری چیزیں اسے ایسا کرنے سے روک رہی ہیں۔

''میں ابھی تک اس دنیا سے خود کو الگ نہیں کر سکا جہاں میں پیدا ہوا تھا اور جہاں میں پلا بڑھا''۔ وہ غصے سے کہتا تھا غصہ اپنے آپ پر اور ساتھ ہی عیسیٰ پر بھی جو بار بار یہی سوال کرتا تھا۔ ''بچے پر اپنے باپ کا احترام اور فرمانبرداری فرض ہے۔ میں اس معاشرے میں رہنے والے انسانوں کی روایات سے اور دوستی کے اعتماد اور وفاداری سے بندھا ہوا ہوں۔ میں اب بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ دوسرے میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔''

MashalBooks.org

اور عیسیٰ جواب دیتا کہ ان قدروں کو ترک کیے بغیر بھی انسان آزاد ہوسکتا ہے۔ اس پر حاضل کہتا کہ ان قدروں کو رد کر کے نئے انسانی تجربات سے حاصل کی ہوئی نئی قدریں تخلیق کرنا ہوں گی۔ تمام پرانی پابندیوں سے آزادی حاصل کر کے ہی نئی اور طاقتور آزادی حاصل کی جا سکے گی اور اگر عیسیٰ اصرار کرتا کہ اپنی موسیقی کی خاطر حاضل میں اتنی جرأت ہونی چاہیے کہ وہ سب رکاوٹوں کو الگ پھینک کر صرف اپنی ذات کا ذمہ دار ہو تو حاضل کہتا ''اگر میں ایسا کروں تو کیا میں گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا؟ فرض کرو آئندہ میں اپنے کسی دوست کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں۔ کیا دوست یا انقلاب کے ساتھ وفاداری کے مقابلے میں موسیقی زیادہ اہم ہے؟'' تب عیسیٰ خاموش ہو جاتا۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ اگر اسے ایسی صورتحال کا سامنا ہو تو وہ کسی کشمکش کے بغیر ہار مان لے گا۔ اگر اسے پرسکون زندگی بسر کرنا ہے تو اسے ہر قسم کی غلامی اور ظلم قبول ہیں!

کچھ وقفے کے بعد اسکے دل میں حاضل کے بارے میں ایک عجیب احساس بیدار ہوا۔ وہ جن چیزوں کا تمنائی تھا، اس کا جی چاہنے لگا کہ حاضل بھی وہ چیزیں حاصل کر لے۔ بالکل غیر شعوری طور پر وہ محسوس کرنے لگا کہ اگر وہ ایک اچھا وائلن نواز نہیں بن سکتا تو حاضل بن سکتا ہے اور اگر اس کا کام صرف سکول کے بچوں کے لئے ہی گیت کی دھن تیار کرتے رہنا ہے۔ تو اس کے اندر خواہش بیدار ہوئی کہ کم سے کم حاضل ہی نئی موسیقی تخلیق کرے۔ حاضل کے ساتھ چند تجربات کے بعد غیر شعوری طور پر وہ اس کا عقیدت مند ہو گیا۔ ایک بار وہ سکول سے واپس آ رہے تھے اس نے کیس میں رکھا وائلن اٹھا رکھا تھا۔

وہ لان ہالے کی طرف مڑنے لگے تھے جب انہوں نے انگریز سپاہیوں کو کاروں اور پیدل چلنے والوں کی تلاشی لیتے دیکھا۔ اس راہ سے گزرنے والوں کو باری باری تلاشی کے لئے ایک لائن میں کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

حاضل نے سرگوشی کی۔ ''انہیں ہتھیاروں کی تلاش ہے۔ وائلن کیس کہاں ہے؟'' عیسیٰ نے کیس اس کے حوالے کر دیا اور حاضل نے پتلون کی جیب میں سے ایک ریوالور نکالا اور وائلن کیس میں رکھ دیا۔ عیسیٰ نے حاضل کو کوئی دوسری راہ اختیار کرنے پر مجبور کیا، مگر سب راہوں پر پہرے تھے اور انہیں لان ہالے کے اس تفتیشی مقام میں سے بہرحال گزرنا تھا۔ جیسے جیسے وہ چیک پوسٹ کے قریب آتے گئے، عیسیٰ خوفزدہ ہوتا گیا مگر

MashalBooks.org

حاضل کے ہاں کسی تشویش کے آثار نہ تھے بلکہ وہ بولے جا رہا تھا اور خود اپنے ہی لطیفوں پر کبھی کبھی ہنس بھی دیتا تھا۔ ان کی باری آئی تو عیسیٰ نے محسوس کیا کہ اس کا جسم کانپ رہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر ڈر رہا تھا کہ تلاشی لینے والے انگریز اور ہندوستانی سپاہی اس کے چہرے سے اس کا جرم پڑھ لیں گے۔

لیکن انہوں نے حاضل کے ہاتھ میں وائلن کیس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کی جیبوں کا جائزہ لیا اور انہیں گزر جانے دیا۔

اس دوران میں عیسیٰ کی ریڑھ کی ہڈی میں اور اس کی پیٹ کی گہرائی میں یخ بستگی دھڑکتی رہی تھی اور اس کے ٹخنے بجتے رہے تھے۔ مگر حاضل مزیدار قصے سنا رہا تھا اور خوش دلی سے آنکھ مار رہا تھا۔

مگر جہاں تشویش، ڈر اور خوف نے یک جا ہو کر اسے پریشان کر دیا تھا وہیں عیسیٰ کے اندر ذرا سا فخر کا جذبہ بھی بیدار ہوا کہ اس نے ایک زیر زمین تنظیم کے لئے ایک کردار ادا کیا ہے۔ یہ سوچ کہ وہ جدوجہد میں شرکت کر رہے تھے، اس کے جذبات کے لئے ٹانگ ثابت ہوئی۔ کبھی کبھی اسے برتری کا احساس بھی ہوتا تھا کہ اس کی بیوی تو گھر میں پڑی ہے مگر وہ استاد ہونے کے علاوہ ایک خطرناک کام بھی کر رہا ہے۔

حاضل نے وائلن بجانا بند کر دیا اور اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ سنو اور جب تک میں ختم نہ کر لوں، بولنا مت۔''

جونہی حاضل کے نازک ہاتھ نے دوسری بار تاروں پر گز چلائی عیسیٰ کے باطن میں کچھ دھڑکنے لگا ..... وہ کچھ جو اس کے دل کی گہرائیوں میں دفن تھا۔ یہ عجیب نغمہ تھا جس کا آغاز تو بلند تھا مگر جو یکا یک گہرائیوں میں تہہ تک اتر گیا تھا۔ عیسیٰ نے محسوس کیا جیسے اسے آسمان کی طرف اچھال دیا گیا ہے اور اس کے بعد وہ نیچے کی طرف تیزی سے اترتا آ رہا ہے۔

عیسیٰ کے لئے خارج کی دنیا کا وجود ختم ہو گیا تھا۔ اسے لگتا ہے جیسے اس کمرے کو، جس میں وہ موجود تھا کسی چیز نے محاصرے میں لے لیا ہے۔ کوئی ایسی چیز جس نے ماوراء سے انہیں محفوظ کر لیا ہے۔ وہ دو تھے اور موسیقی تھی ..... ایسی موسیقی جو انسانی دل کی گہرائیوں میں اتر جانے کے بعد بیرونی دنیا میں واپس آ رہی تھی۔

MashalBooks.org

تب عیسیٰ پر انکشاف ہوا کہ حاضل نے جو موسیقی تخلیق کی ہے وہ وہی موسیقی ہے جسے وہ خود تخلیق کرنا چاہتا تھا مگر یہ اس کے بس میں نہ تھا..... یہ اس کی اپنی روح کا کرب تھا۔ یہ اس کی تمنائیں تھیں جو آسمان کی طرف پرواز کرتی تھیں مگر بری طرح ناکام رہتی تھیں۔ وہ پھر پرواز کرتی تھیں اور زیادہ شدت سے ناکام رہتی تھیں۔ یہ اسی کے شکوک، فکریں، ڈر، خوف اور دکھ تھے..... اس کی جستجوئے مسرت تھی موسیقی میں انتہائی گریہ تھا اور جدوجہد تھی اور ان کے بیچ بیچ میں لہریں مارتا سکوت تھا۔

جب حاضل نے وائلن اپنی ٹھوڑی سے ہٹایا اور اسے میز پر رکھ دیا تو عیسیٰ اپنی محویت کے عالم سے بیدار ہوا۔ آخری سر کے بعد ایسا بھاری سکوت پیدا ہوا جسے چاقو سے کاٹا جا سکتا تھا۔ عیسیٰ کو ایسا لگا جیسے وہ اڑ کر جائے اور اس موسیقی کا تعاقب کرے جسے باہر کی دنیا نے نگل لیا تھا۔

حاضل بظاہر بے خبر بیٹھا تھا مگر عیسیٰ نے اس کے باطن میں وہ تمام جذبات پڑھ لیے جن کا وائلن بجاتے وقت اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے کے اعصاب ابھی تک تنے ہوئے تھے۔ حاضل نے پوچھا ''کیسا رہا؟''

دروازے پر سے تالیوں کی آواز آئی۔ عیسیٰ نے پلٹ کر دیکھا۔ فاطمہ کھڑی مسکرا رہی تھی اور تالیاں بجا رہی تھی۔

''سبحان اللہ!'' اس نے کہا اور جب اس نے حاضل کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حاضل نے ایک ماہر موسیقی کی طرح اپنا سر اس طرح جھکایا جیسے اوپیرا ہاؤس کے حاضرین کی بے پناہ تالیوں کا جواب دے رہا ہو۔ عالمِ سرخوشی میں عیسیٰ وہ نگاہیں نہ دیکھ سکا جن کا فاطمہ اور حاضل کے درمیان تبادلہ ہوا۔ یہ بس ایک پل کی بات تھی کیونکہ فاطمہ فوراً دروازے پر سے ہٹی اور شرم سے سرخ ہوتی ہوئی دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی۔

حاضل نے عیسیٰ کی طرف دیکھا۔ ''ویسے کیا خیال ہے تمہارا؟'' اس نے زور دے کر پوچھا۔

عیسیٰ نے جواب دیا۔ ''ایسی موسیقی کے بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ بے مثال..... بے نظیر'' وہ حاضل کے سامنے کھڑا تھا۔

MashalBooks.org

یہ نغمہ تم نے کب سوچا تھا؟ مجھے تو تم نے بتایا ہی نہیں'' وہ جیسے شکایت کر رہا تھا کہ اسے بتایا کیوں نہیں گیا۔

''انہی چند ہفتوں میں'' حاضل نے جواب دیا۔''میں تمہیں بتانے کی جرأت نہ کی کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ میں کامیاب نہیں ہو پاؤں گا۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک میں پریشان تھا کہ کہیں مجھ میں اس پختگی کی کمی نہ ہو جو میری موسیقی میں انسانی جدوجہد..... لامتناہی انسانی جدوجہد اور حصول مسرت کی جدوجہد کی ترجمانی کر سکے۔

اس نے عیسیٰ سے پوچھا۔''کیا تم نے محسوس کیا؟''

''ہاں۔ یہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے محسوس کیا..... پورے کا پورا.....سارے کا سارا''۔ حاضل یہ دیکھ کر مسکرایا کہ عیسیٰ یہ بتانے کے لئے کہ اس کی موسیقی اچھی تھی، کتنے جوش وخروش سے کام لے رہا ہے۔

''یہ سازینے کے لئے ہے'' حاضل نے کہا۔''مگر یہاں کوئی سازینہ اسے پیش کرنے والا نہیں۔''اس کی آواز میں اداسی اور افسوس نمایاں تھے۔

''اس موسیقی میں انسانی جدوجہد کا گیت ہے'' حاضل نے گفتگو جاری رکھی۔ اس کی آواز میں ارتعاش تھا۔''انسانی..... انفرادی حیثیت میں..... کیا تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو؟ میں اسے کیسے واضح کروں؟ انسان کی جدوجہد..... شکار پر نکلے گیدڑوں کی چیخیں.....نہیں زندہ رہنے کی جدوجہد کے لئے ایک گیدڑ کی غراہٹ درد اور تیز چیخ۔ میرے نزدیک فرد بذات خود ایک مقصد ہے وہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں۔ انسانی مسرت کا راز یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے فرد اپنی شخصیت کو توانا بنائے۔ ریاست صرف ایک ذریعہ ہے اور فرد کو ریاست کے ماتحت نہیں ہونا چاہی۔ یہ موسیقی میری زندگی ہے۔ یہ ایک ایسی شاہراہ جس پر مجھے چلنا ہے مگر جس کا کوئی آخری سرا نہیں۔ یہ وہ انقلاب ہے جو ہم نے شروع کیا ہے۔ انقلاب آزادی حاصل کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور آزادی زندگی کو مسرت اور شرافت سے بہرہ یاب کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔''

وہ بول رہا تھا تو عیسیٰ کو حاضل کے الفاظ کے کھوکھلے پن کا احساس تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ صرف ایک کتاب پڑھ رہا ہے۔ خود اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ ایسے لوگوں

MashalBooks.org

کو آگے لائے۔ وہ ایک ہجوم میں پناہ لینے کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ ہجوم جو انسانی انفرادیت کو نگل جاتا ہے۔ ہجوم میں اپنی شناخت کھو بیٹھنے کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح ذمہ داری کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ فرض کا احساس اس بھیڑ میں بآسانی دفن کیا جا سکتا ہے اور اس بھیڑ میں محفوظ پناہ مل سکتی ہے۔ شخصیت کی غیر موجودگی میں دوسروں کے مقابلے میں ایک طرح کی پناہ.....ڈھال.....تحفظ۔

حاضل بول رہا تھا۔ آزاد انسان ایک بھیڑ کی زنجیروں میں جکڑا کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ ساڑھے تین سو سال تک انڈونیشیا کے انسانوں پر ایک بھیڑ کی حالت میں ڈچ حکمرانوں نے مظالم توڑے ہیں۔

ہجوم ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بے معنی ہوتے ہیں۔ ایک ہجوم کے اندر صرف اس صورت میں حرکت پیدا ہو سکتی ہے جب افراد اس سے الگ ہو کر ابھرتے ہیں اور میری موسیقی ہجوم کے لئے نہیں ہے، ان افراد کے لئے ہے جن کے دم سے ہجوم بنتا ہے۔''

عیسیٰ کی خواہش تھی کہ وہ اعتماد کے ساتھ بولے۔ مگر اسے خوف تھا کہ اس طرح حاضل سمجھے گا کہ اس کے احساسات بیکار ہیں، سو وہ صرف موسیقی کی باتیں کرتا رہا۔

عیسیٰ نے کہا۔ ''کیا تم نے سوچا ہے کہ تمہاری موسیقی کو ایک آرکسٹرا پیش کرے اور اس آرکسٹرا میں ڈھول کی بہت اہمیت ہے.....عظیم انڈونیشی موسیقی میں ڈرم کی موجودگی ہمیشہ ضروری ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اس لئے کہ انڈونیشی دنیا میں زمانہ قدیم سے ڈرم موجود رہا ہے۔ شادیوں پر ڈھول بجایا جاتا ہے۔ بچے کی پیدائش پر ڈھول۔ سب سرکاری تقریبوں پر ڈھول ہی لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہے اور جب لوگ جنگ پر جاتے ہیں تو جب بھی ڈھول یا طبل موجود ہوتا ہے۔

''ہاں'' حاضل نے کھڑکی کا رخ کیا اور باہر آسمان کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ یوں بولا۔ جیسے اس کی آواز کہیں دور سے آ رہی ہو۔'' تم ٹھیک کہتے ہو انڈونیشی موسیقی میں ڈھول کی اہمیت کے بارے میں غور ہی نہیں کیا گیا۔ میری موسیقی اگر آرکسٹرا بجائے گا تو اس میں ڈرم کو واضح طور پر استعمال کیا جائے گا تنہائی اور ڈر اور مسرت اور خوف کے اظہار کے لئے۔'' حاضل نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسائیں اور عیسیٰ کے قریب آیا۔ پھر وہ اس کے کندھے کو تھپتھپا کر بولا ''تم تو جینیس ہو۔ تم نے مجھے ایک نیا

خیال دیا ہے..... ہا!.....کون کہتا ہے کہ انڈونیشی موسیقی میں ایسی خوبیاں پوشیدہ نہیں جن پر مزید کام کیا جا سکتا ہو۔''

فاطمہ چائے لے آئی اور حاضل کے قریب ہی جہاں وہ کھڑا تھا چائے رکھتے ہوئے بولی۔''تمہاری موسیقی کمال کی ہے۔''

''شکریہ'' حاضل نے کہا۔''مگر یہ صرف ایک کوشش ہے۔''

اور عیسیٰ بولا۔''نہیں'' کوشش نہیں یہ تو مکمل تخلیق ہے۔'' حاضل نے جیسے عیسیٰ کو دعوت دیتے ہوئے کہا۔'' تم اور میں..... دونوں اس نغمے سے ایک اعلیٰ پائے کا کونسرٹ تیار کریں گے۔''

''ہاں بالکل'' عیسیٰ بولا۔''حاضل نے مسرت اور جوش سے کہا۔''ہم ابھی سے یہ کام شروع کر دیں گے۔''

''مگر کیا تمہیں ایک مشکل کا خیال نہیں ہے؟'' عیسیٰ نے حاضل سے پوچھا۔ ''ڈرم کے لئے نغمہ ہم کیسے لکھیں گے؟''

حاضل ایک لمحے کو کچھ سوچتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔ فاطمہ کمرے سے چلی گئی تھی۔

کچھ دیر بعد عیسیٰ نے کہا۔''ایک سادہ ساحل اس کا ہے۔ہمیں لے اور سر پیدا کرنے کے لئے ڈرم کی ضرورت ہے۔اس طرح وہ فضا پیدا ہو گی جو ہم چاہتے ہیں۔ پھر ہم آہستہ سے اسے پس منظر لے جائیں گے حتیٰ کہ وہ بیک گراؤنڈ موسیقی کا کام دیتا رہے گا۔''

حاضل چائے پینے لگا اور جب اس نے اپنے سگریٹ کی راکھ فرش پر بے خیالی سے جھاڑی تو عیسیٰ کو ذرا سا ناگوار گزرا۔ پھر اس نے پوچھا۔''اپنے ابا سے تمہارے تعلقات کیسے جا رہے ہیں؟''

''ابا جی سے؟'' حاضل نے جواب دیا''جب ہم میٹنگ سے دیر سے واپس آتے ہیں تو وہ خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔کبھی کبھی تو وہ ایک لفظ نہیں بولتے اور میری سرگوشیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور کبھی کبھی وہ نہایت غصے میں آ جاتے ہیں کہ میں انقلاب کی حمایت کر رہا ہوں اور اس کے الزامات وہی پرانے ہوتے ہیں کہ ہم قاتل ہیں

اور ڈاکو ہیں اور بس۔ قصہ یہ ہے کہ وہ میرے باپ ہیں ورنہ اب تک وہ اغوا ہو چکے'' ہوتے حاضل غصے میں بولتا رہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بوڑھے کا ذہن کیا سوچتا ہے!''

''شاید وہ بھی اپنے بارے میں بے یقینی کا شکار ہیں''۔ ''عیسیٰ بولا''۔ اس طرح کے حالات میں لوگ بوکھلا جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ وہ ہر طرح کے دباؤ کے تحت خوفزدہ رہتے ہیں اور ہر قسم کی دھمکیوں کا ہدف بنتے ہیں۔ عیسیٰ اس طرح کے اپنے ہی احساسات بیان کر رہا تھا مگر حاضل یہ بات نہیں جانتا تھا۔

حاضل بولا۔ ''آزادی کی جدوجہد میں شک یا گومگو کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ میں تو شروع ہی سے کسی شک کا شکار نہیں رہا۔ مجھے تو شروع سے معلوم تھا کہ جس شاہراہ پر ہم چل پڑے ہیں اس کا آخری سرا کوئی نہیں اور ہمیں اس راہ پر ڈگمگائے بغیر چلنا ہے۔ یہاں سے آگے.....آگے..... آگے..... کوئی آخری منزل نہیں۔ آزادی ملنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ہم آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ انسانی مسرت حاصل کرنے کی جدوجہد کی شاہراہ کا بھلا آخری سرا کہاں ہوگا۔ (انسانی زندگی میں دشمن بھی ہوتے ہیں، مصائب بھی ہوتے ہیں مگر ان کا مقابلہ کرنا اور ان پر فتح پانا پڑتا ہے۔ ایک کے بعد دوسری مصیبت اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور دوسری کے بعد تیسری۔ ایک بار ہم نے جدوجہد کا عزم کر لیا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایک ایسی شاہراہ پر قدم رکھ دیا جس کا کوئی آخری سرا نہیں ہے اور تم نے، میں نے، سب نے جدوجہد کا عزم کر رکھا ہے۔)''

عیسیٰ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ حاضل کی باتیں سن کر اس نے اپنے باطن کی آنکھ سے ایک شاہراہ دیکھی جس کا کوئی آخری سرا نہیں تھا.....ایک ایسی شاہراہ جو اس کے سامنے بچھی ہوئی تھی.....آگے ہی آگے..... لامحدود دوریوں میں .....تاریکی میں شروع ہوتی ہوئی..... غائب ہوتی ہوئی اور تاریکی میں بڑھتی ہوئی.....ایک ایسی شاہراہ جو اندھیری دنیا میں روشنی کی ایک کرن سے زیادہ نہیں تھی، اس کے خطوط واضح تھے اور اسے دیکھ کر ڈر آتا تھا۔ حاضل کے اندر یہ بے انجام راستہ جو جوش و خروش پیدا کر دیتا تھا، وہ عیسیٰ کے لئے

MashalBooks.org

ایک ایسا ڈراؤنا خواب تھا کہ اسے اپنی نیند سے ہی خوف آنے لگتا تھا۔

قمرالدین چند روز سے علیل تھا اور اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ حاضل کو گھر سے گئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ وہ جکارتہ شہر کے عوامی رضا کاروں کا جکارتہ کے بیرونی رضا کاروں کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔قمرالدین کو حاضل بری طرح یاد آ رہا تھا۔اس اداسی میں یہ افسوس بھی شامل تھا کہ جب جانے کے لئے تیار ہو کر حاضل نے اخراجات کے لئے اس سے کچھ رقم طلب کی تھی تو قمرالدین نے اسے برا بھلا کہا تھا اور گرج کر کہا تھا کہ اگر وہ آزادی کی خاطر لڑنے جا رہا ہے تو وہ اپنا ذمہ دار خود ہے۔اب جبکہ وہ بیمار پڑا تھا تو اس کے دماغ میں طرح طرح کے ایسے خیالات آنے لگے تھے جن پر اس نے اس سے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

حال ہی میں حاضل کے ساتھ بعض جھگڑوں پر اسے افسوس ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ہم صرف دو فرد باقی رہ گئے ہیں۔اس کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور مجھے بیٹے کی ماں کا فرض بھی ادا کرنا ہے۔آج کل کے حالات میں باپ بیٹے کو ایک دوسرے کا مددگار ہونا چاہیے لیکن حاضل اس کا حکم کیوں نہیں مانتا؟ ولندیزیوں کی حکومت کے دنوں میں اور جاپان کے قبضے کے دوران حاضل نے ایک خوش اطوار بچہ ہونے کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ باپ کی باتوں پر کان دھرتا تھا،مگر اب وہ کتنا بدل گیا ہے!

قمرالدین نے محسوس کیا کہ حاضل انقلاب کے دنوں میں کھردرا اور وحشی ہو گیا ہے۔بعد میں اس کا کیا بنے گا،اس نے اداسی سے سوچا۔

پھر اسے اپنا خیال آیا۔اس نے چپکے چپکے ولندیزیوں کے ساتھ رابطے کی کوشش کی تھی اور دور اندیشانہ معلومات حاصل کی تھیں کہ کیا وہ اسے پھر سے ملازمت دے سکیں گے انہوں نے اس سے بعض وعدے کئے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اس کی عمر کے .....ساٹھ سال سے اوپر کے،لوگوں کے لئے کوئی خاصی گنجائش نہیں ہے۔انہوں نے یہ بھی اشارہ دیا تھا کہ اگر عوام میں وہ بااثر اور باوقار ہو سکے تو صورتحال میں مثبت تبدیلی آ سکتی ہے۔قمرالدین کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اچھا افسر رہ چکا ہے۔اس نے ہر ضابطے اور ہدایت کی پابندی کی ہے۔ساتھ ہی پچھلی حکومت میں اس نے سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا۔اس دنیا میں کوئی اس کے نام سے واقف نہیں تھا۔ وہ تو نو

آبادیاتی مشینری کے ایک پرزے کی طرح تھا۔مگر اب حکومت کو ایک ایسے پرزے کی ضرورت تھی جنہیں عوام اپنا سمجھیں اور جس پر انہیں اعتماد ہو اور ان کے توسط سے وہ اپنی سفارشوں پر عمل کر سکیں۔

چنانچہ ولندیزیوں کو قمرالدین کی کوئی ضرورت نہیں تھی جو بوڑھا تھا اور لوگوں میں اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔''ہم تمہیں پنشن دیتے رہیں گے اور اگر کوئی مناسب آسامی خالی ہوئی تو تمہارے ساتھ رابطہ پیدا کریں گے۔'' قمرالدین سخت پریشان تھا۔ ولندیزیوں سے انٹرویو کے بعد وہ نہایت بے چین ہو رہا تھا۔اس کی بھوک ختم ہو گئی تھی۔وہ آس پاس کی دنیا میں خود کو اجنبی سا محسوس کرنے لگا تھا۔وہ ان نوجوانوں سے سراسر مختلف تھا جو''خبردار'' اور''مردیکا'' کے نعرے لگاتے تھے۔ان لوگوں نے بازو پھیلا کر اسے خوش آمدید نہ کہا جن کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ ان کے ساتھ حسب سابق ایک پرسکون زندگی سے لطف اندوز ہو گا۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ ولندیزی اسے بخوشی ملازمت دے دیں گے۔وہ اپنے ایسے کئی دوستوں کو جانتا تھا جنہیں ولندیزیوں نے وقت آنے پر واضح فرائض سونپے تھے مگر پھر اسے احساس ہوا کہ اس کے حالات ان کے سے نہیں تھے۔ان میں سے ایک تو بڑے جاگیرداروں کی اولاد میں سے تھا اور جنوبی سلیبس کے دیہی علاقوں میں اسکا خاص اثر ورسوخ تھا۔دوسرے کو مغربی جاوا کے امراء میں کافی رسائی حاصل تھی۔قمرالدین نے بڑی تلخی سے سوچا اور اب میں ایک بوڑھا ہوں میری افادیت ختم ہو چکی ہے!

تب اس کا شدت سے جی چاہا کہ حاضل کرامانگ سے واپس آ جائے وہ اپنے نوجوان بیٹے کی موجودگی سے وہ توانائی حاصل کرنا چاہتا تھا جو کبھی اس کے اندر تھی۔قمرالدین نے کمرے کے آخری سرے پر پڑی میز کی طرف دیکھا۔وہاں اس کی بیوی کی تصویر اس کے بستر کے مقابل رکھی تھی وہ جاپانی قبضے کے دوران وفات پا گئی تھی۔

اس کے دکھ میں اضافہ ہو گیا۔اسے وہ دن یاد آیا جب حاضل پیدا ہوا تھا۔یہ پچیس سال پہلے کی بات تھی۔تب وہ کلیمنتان میں جج تھا۔قمرالدین کو یاد آیا کہ وہ اچھے دن تھے۔صرف دفتر میں کام کرنا ہوتا تھا اور پھر واپس اپنے گھر میں اپنی بیوی بچے کے پاس! اسے دوسری عورتوں سے اپنے خفیہ معاشقے بھی یاد آنے لگے۔قمرالدین کو یہ

MashalBooks.org

سوچ کر تسکین سی ہوئی کہ وہ معاشقوں سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا۔ صرف ایک بار.....نہیں دو بار اس کی بیوی نے اسے پکڑا اور اس کے بعد دونوں میں لڑائی ہوئی۔ قمرالدین یہ سوچتے ہوئے مسکرانے لگا۔ اس نے سوچا آخر میں اپنی جیب میں سے اس (دوسری عورت) کا رومال نکالنا کیوں بھول گیا تھا؟ اور دوسری بار تو اس عورت کا اپنا قصور تھا۔ وہ کسی اور سے اس کا ذکر کر بیٹھی تھی قمرالدین نے حاضل کے بارے میں سوچا اور اس کی پریشانی بڑھ گئی۔ آج کے نوجوان میری سمجھ ہی میں نہیں آتے۔ ان کے دماغ میں ان کے اپنے ہی خیالوں سے لبریز ہیں.....قمرالدین نے سوچا.....میرا حاضل واپس آتا ہے تو میں اسے منا لوں گا۔ اسے بہرصورت واپس آنا چاہیے اور اس پاگل پن سے چھٹکارا پانا چاہیے وہ اب گھر آتا ہے تو میں اس سے بات کروں گا۔

اور گھر پر سناٹا طاری تھا زندگی کی وہاں کوئی رمق نہ تھی یہ ایک بوڑھے آدمی کا گھر تھا جسے نوجوان نسل نے اپنے نئے گھر کی تعمیر کی خاطر چھوڑ دیا تھا۔

MashalBooks.org

(4)

رات بھر بوندا باندی ہوتی رہی، کبھی کبھی تیز بارش بھی ہوتی، مگر پھر بوندا باندی شروع ہو جاتی۔ شام ہی سے گھروں کے دروازے کھڑکیاں بند ہو گئے تھے۔ خطرات سے بھرپور ان دنوں میں بانس کی کھوکھلی، کمزور دیواریں اور ایسے دروازے جو بند ہو سکیں یا جنہیں تالا لگ سکے، حفاظت کے لئے غنیمت لگتے تھے۔ فاطمہ بستر پر لیٹی تھی اور عیسیٰ مطالعے کے کمرے میں کام کر رہا تھا۔ ۴۰ واٹ کی روشنی کمرے کے لئے بالکل ناکافی تھی۔ عیسیٰ دراصل حاضل کا انتظار کر رہا تھا جسے اس رات تحریک آزادی کے سلسلے میں کوئی اہم مشورہ کرنے آنا تھا۔ حاضل بیکاسی اور کراونگ سے واپس آ چکا تھا اس نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ آٹھ بجے عیسیٰ کے پاس آئے گا، لیکن اب دس بجنے کو تھے اور حاضل کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔

سونے کے کمرے اور مطالعہ گاہ کا درمیانی دروازہ کھلا تھا۔ اگر عیسیٰ اس کھلے راستے سے سونے کے کمرے کی طرف دیکھتا تو اپنی بیوی کے پاؤں اور گھٹنوں تک نظر آتی سڈول پنڈلیاں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے نیچے بچھی کڑھائی والی بستر کی چادر تقریباً فرش تک پہنچ رہی تھی لیکن اس سب کے ساتھ اس کی بیوی اور سونے کے کمرے کے علاوہ کوئی اور چیز تھی جو اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ ایک بات جو اس کی یادداشت پر ہمیشہ قبضہ جمائے رکھتی .....اس کی شادی کی پہلی، دوسری، تیسری راتیں اسے کبھی نہیں بھولتی تھیں۔

اس نے ایک لمبا سانس لیا۔ اٹھا اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا وہاں رکھا مارجرین کا ڈبہ پانی سے بھرا تھا جو اس نے چھت سے ٹپکنے والے بارش کے پانی کے لئے رکھا تھا۔ کھڑکی کو تھوڑا سا کھولنے پر ہوا نے بارش کی سرد بوچھاڑ اس تک پہنچا دی۔ عیسیٰ ایک دم کپکپا اٹھا، ایسے جیسے رات کا سرد ہاتھ موت کا ہاتھ بنا اسے سہلا رہا ہو۔ اس نے

MashalBooks.org

جلدی سے پانی باہر پھینکا اور کھڑکی بند کر دی۔

مارجرین کا خالی ڈبہ فرش پر واپس رکھ کر وہ میز کے سامنے جا بیٹھا۔ اس کا دل پریشانی سے بوجھل تھا، ایسی بارش کی سرد طوفانی رات میں تو تشدد کرنے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ وہ شاگردوں کی کاپیاں چیک کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ اب چھت پر بارش کا شور ڈبے میں گرنے والے پانی کے شور میں دب گیا تھا۔ حتیٰ کے الازم کلاک کی ٹک ٹک بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک دم اس کا جی چاہا کہ ڈبے کو اٹھا کر باہر پھینک دے لیکن اس طرح فرش بھیگ جانے پر فاطمہ کے ناراض ہو جانے کا خوف تھا۔

عیسیٰ نے گھڑی دیکھی، ساڑھے دس بجے تھے، اس نے آخری کاپی اٹھا کر کاپیوں کے اس ڈھیر پر رکھی جنہیں وہ دیکھ چکا تھا۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی میز پر ٹکا دی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس جائے یا بیوی اس کے پاس آ جائے اور وہ اس سرد بارانی رات میں اسے اپنے ساتھ بھینچ کر سارے دکھ اور ساری بے یقینی اس گرم جوشی میں ڈبو دے اور خود کو بھول جائے کچھ نہ سوچے، کچھ نہ سوچے، کچھ یاد نہ کرے۔ کچھ بھی یاد نہ کرے۔

عیسیٰ نے لمبا سانس لیا۔ اسے معلوم تھا ایسا ہونا ناممکن نہیں کسی بڑی تبدیلی کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں اسے لگا وہ بہت تھک گیا ہے، سر کرسی کی پشت پر ٹکائے ٹکائے وہ نہ جانے کب سو گیا۔

بارش تیز ہو گئی۔ ڈبے میں پانی زیادہ ہونے سے ٹپ ٹپ کی آواز کم ہو گئی۔ عیسیٰ نے خواب دیکھا کہ وہ چوڑی اور ہموار سڑک پر جا رہا ہے یہ ایک سیدھی سڑک ہے جو بغیر کسی رکاوٹ کے ایک بہت سیاہ اور خوفناک افق تک چلی جا رہی ہے۔ حاضل پیچھے چلا آ رہا ہے۔

''جلدی، جلدی، میں ابھی آپ سے آ ملتا ہوں''

عیسیٰ چل رہا تھا پہلے پہلے اسے اکیلا چلنا بہت ناگوار گزرا پھر دو رویہ سایہ دار درختوں اور خوبصورت پھولوں نے اس کی توجہ اپنی طرف کر لی۔ اس نے آج تک کبھی اتنے حسین پھول نہیں دیکھے تھے وہ بار بار پیچھے پلٹ کر حاضل کو دیکھتا لیکن حاضل اسے نظر نہ آتا۔ ایک دم اسے لگا کہ سڑک کا منظر تبدیل ہو گیا ہے، اب نہ تو دو رویہ درخت ہیں اور

نہ ہی دلکش پھول، سامنے سیاہ آسمان پر سورج بڑا سا سرخ گیند دکھائی دیتا تھا۔عیسیٰ کو وہاں کی گرمی نا قابل برداشت لگی۔اس کا دم گھٹ رہا تھا اور سیسے جیسی بوجھل فضا میں سانس لینا اس کے لئے ناممکن ہو رہا تھا۔اس نے پیچھے مڑ کر بھاگنا چاہا لیکن جس راستے پر وہ ابھی چل کر آیا تھا وہ پیچھے سے غائب ہو چکا تھا۔ بس آگے ہی آگے جانے والی سڑک باقی تھی .....سیدھی اور اکیلی سڑک جو کی سیاہ افق میں گم ہو جاتی تھی۔ یہ ایک لرزہ خیز منظر تھا۔عیسیٰ اپنی پوری طاقت سے بھاگا اسے بالکل یاد نہیں رہا تھا کہ وہ آیا کہاں سے تھا۔ وہ تو بس جلدی سے جلدی سڑک کے آخری سرے تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن سڑک کا کوئی آخری سرا ہی نہیں تھا۔عیسیٰ جتنا تیز تیز بھاگتا اتنی تیزی سے سڑک کالے سیاہ افق کے گڑھے میں پیچھے سرکتی جاتی۔

پھر اس نے دیکھا کہ ایک تیز رفتار جیپ اس سے آگے نکل گئی جس میں اس نے حاضل اور فاطمہ کی ایک جھلک دیکھی۔اس نے انہیں آواز دینا چاہی لیکن اس کے گھٹے ہوئے سینے سے صرف ایک بھدی سے بیٹھی ہوئی آواز نکلی۔ وہ سڑک پر گر پڑا اور دکھ کی شدت سے رونے لگا۔

سیاہ آسمان جیسے اس کے اوپر آ پڑا۔ وہ ایک مسدود خلا میں تھا اور سورج، شعلے برساتی آگ کے گولے کی طرح یوں بھاگا چلا آ رہا تھا جیسے اسے جلا کر بھسم کر دے گا۔ خوف سے سہمے ہوئے اس نے سورج کو گولی کی طرح اپنی طرف آتے دیکھا، اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور وہ بے بسی سے چلایا لیکن بجلی کی کڑک اور گرج جیسے شور کے ساتھ سورج اس پر آ گرا..... وہ جاگ گیا.....اس کی بیوی اسے ہلا رہی تھی اور پوچھ رہی تھی۔''عیسیٰ تمہیں کیا ہوا ہے؟''

عیسیٰ نے درشتی سے بیوی کا ہاتھ جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا، تھوڑی دیر بعد اسے یاد آیا کہ وہ خوب تھا اور اس وقت وہ حقیقت کی دنیا میں ہے۔ وہ ضعف اور شرمندگی سے مسکرا کر بولا۔

''سوری! میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا تھا'' اس نے اپنے ہاتھوں سے ماتھے اور کن پٹیوں پر بہتا ہوا پسینہ پونچھا اور بیوی کو دیکھا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا ایک روشنی اور چمک جو زمانوں کی جستجو پر بھی اسے نظر نہیں آئی

تھی۔ یہ روشنی شادی سے پہلے اور کچھ مہینے بعد تک اسے نصیب تھی۔ محبت میں بھیگی ہوئی روشنی جو اس کی چمکدار کالی آنکھوں میں تیرتی رہتی۔ عیسیٰ کو لگتا تھا جیسے اس روشنی کا انتظار کرتے صدیاں بیت گئی ہیں حالانکہ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ اس کا انتظار لاحاصل رہے گا پھر بھی امید سانس لیتی رہتی تھی۔

اس وقت بھی اس کے لئے فاطمہ پر سے نظریں ہٹانا مشکل تھا۔ شاید کسی وقت وہ لمحہ آ جائے ..... لیکن بہت سے دوسرے موقعوں کی طرح ملال ہی اس کے حصے میں آیا۔ فاطمہ کی آنکھیں محبت اور روشنی سے خالی تھیں بالکل اجنبی آنکھیں جو کسی بھی دوسرے مصیبت میں مبتلا انسان کو رحم سے دیکھ رہی ہوں ..... شاید تھوڑی سی دوستی بھی ..... بس دوستی ..... اور کچھ نہیں، کوئی گہرا یا قریبی جذبہ نہیں۔

عیسیٰ کا دل فاطمہ کی محبت کے خاتمے پر خوف اور تنہائی سے بھر گیا۔

''میں تمہارے لئے ٹھنڈی چائے کا ایک گلاس لاتی ہوں'' فاطمہ نے سکون اور خوش مزاجی سے کہا مگر لہجہ وہی تھا جو روتے ہوئے یا خوفزدہ سلیم کو بہلانے کے لئے ہوتا تھا۔

فاطمہ کمرے سے گئی تو عیسیٰ دوبارہ بیٹھ گیا۔ ''مجھے اس مسئلے کو حل کر لینا چاہیے، کسی فیصلے پر پہنچ جانا چاہیے'' وہ فاطمہ سے بحث کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ مزید اس طرح نہیں رہ سکتا۔ یا تو فاطمہ اس کے ساتھ محبت سے رہے اور اس کی مدد کرے یا اسے چھوڑ دے۔ یہ شعوری سطح پر تو اس نے سوچ لیا لیکن دل میں فاطمہ کے فیصلے کا سامنا کرنے یا اسے قبول کرنے سے ڈرتا تھا۔ وہ خوفزدہ تھا اور جانتا تھا کہ فاطمہ کو مجبور کیا گیا تو اس کا فیصلہ کیا ہو گا۔

''بہرحال مجھے فاطمہ سے بات تو کر لینا چاہیے'' اس نے خود کلامی کی اور فاطمہ سے بحث کا آغاز کرنے کے طریقے سوچنے لگا۔ ''وہ کیا کہے گا؟'' اس اثنا میں اس نے فاطمہ کے قدموں کی آواز سنی۔ ایک بار پھر اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس نے سوچا ''بات شروع کرنے کا بہترین موقع وہ ہو گا جب فاطمہ اسے گلاس پکڑا رہی ہو گی، اس دوران وہ گلاس لیتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لے گا، مگر بات کیا کرے گا؟'' اس کے قدموں کی آواز اور قریب آ گئی۔ عیسیٰ کی عقل اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ سخت محنت پر بھی اسے

بات کرنے کا ڈھنگ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ آخر فاطمہ نے ہی الجھن کو ختم کیا۔ وہ اس کے چائے کا گلاس لائی۔ مارے جذبات کے عیسیٰ نے گلاس کانپتے ہاتھوں سے پکڑا۔ فاطمہ اس کے بال سہلانے لگی، پھر اس کی پیشانی کو بھی اپنے نرم اور ٹھنڈے ہاتھوں سے ملا۔ عیسیٰ نے تیزی سے گلاس میز پر رکھا اور فاطمہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر بہت نرمی سے اسے فاطمہ کہہ پکارا۔ اس ایک لفظ کی ادائیگی میں اس کے سارے جذبات، امیدیں، خواب، خوف اور چاہے جانے کی شدید تمنا شامل تھی۔

فاطمہ سمجھ گئی اور سمجھ کر خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ عیسیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے یا کچھ کھوجنے کی جرأت نہیں کی وہ خوفزدہ تھا۔ اس نے خوف کو ایک طرف دھکیلنے کی کوشش کی۔ خواب سے بیداری پر وہ اس کی آنکھوں کی سرد مہری سے خوفزدہ تھا، جو اسے برداشت کرنا پڑی تھی۔ اب کہیں پھر ویسا نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس کی امید ہمیشہ خوف میں لپٹی ہوتی تھی اور اسے معلوم بھی تھا کہ کسی بہتری کی توقع فضول ہے، پھر بھی ایک امید ہمیشہ اس کے اندر ٹمٹماتی رہتی۔

''فاطمہ'' اس نے دوبارہ کہا، اس بار بغیر ارادے کے اس کی آواز میں فوری توجہ کی طلب تھی۔ فاطمہ نے بھی اسے محسوس کر لیا۔ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ کر وہ نرمی سے بولی۔

''کیا ہمیں اس ساری آزمائش سے دوبارہ گزرنا ہوگا؟''

عیسیٰ خاموش رہا۔ فاطمہ سونے کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

''عیسیٰ اب سو جاؤ۔ میرا خیال ہے بارش کی وجہ سے وہ اب نہیں آئے گا۔''

عیسیٰ نے جواب نہیں دیا۔ مارجرین کے ڈبے میں گرتے ہوئے پانی کی آواز اس کی ہنسی اڑاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بیٹھا خالی آنکھوں سے بستر کی چادر پر کشیدہ کاری کو گھورتا رہا۔

فاطمہ بستر پر لیٹی تھی لیکن نیند اس کی آنکھوں میں بھی نہیں تھی۔ اگلے کمرے میں چند لمحے پیش آنے والے واقعے نے ایک بار پھر اس تلخ رات کی یاد تازہ کر دی تھی جو شادی کے چھ ماہ بعد ان کی زندگی میں آئی تھی اور اس کے بعد ان کی مشترکہ کوششیں اور کبھی عیسیٰ کی تنہا کوششیں جو ہمیشہ ناکام ثابت ہوئی تھیں۔ ہر طرح کے جذبات اس کے دل میں در آئے۔ مایوسی، محرومی، خفگی، غم اور ندامت ..... دونوں کے لئے، اپنے لئے بھی

اور شوہر کے لئے بھی۔ اسے یاد آیا کیسے ایک دن ہر چیز ہی ختم ہوگئی تھی اور انہوں نے دوبارہ کوشش نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔

''اب ہماری شادی میں کیا رہ گیا ہے؟'' عیسیٰ نے اس رات پوچھا تھا۔

فاطمہ نے جواب دیا تھا۔''میں تمہارے لئے بہت اچھی بیوی رہوں گی اور بس''

''بغیر محبت کے؟'' عیسیٰ نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں بغیر محبت کے'' فاطمہ نے جواب دیا۔ یہ الفاظ شکست کی پیداوار تھے۔ وہ فاطمہ نے کہے۔مگر ان پر کاربند نہ رہ سکی۔

اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے اور دور ہو گئے۔عیسیٰ اپنی سوچوں، خوابوں، مایوسیوں، امیدوں کے ساتھ اپنی ذات میں بالکل تنہا رہ گیا۔

فاطمہ نے اس سے کبھی بے وفائی نہیں کی۔ شاید ایسی صورت میں ایک عورت کے لئے خود پر ضبط رکھنا مردوں کی نسبت آسان ہوتا ہے یا شاید فاطمہ کی تربیت نے اسے بھٹکنے سے روکے رکھا، مگر یہ حد بندی مذہبی یقیناً نہیں تھی۔ اس نے اور عیسیٰ نے تو کبھی نماز بھی نہیں پڑھی تھی بس اسے شوہر کے سوا کسی اور سے جسمانی تعلقات قائم کرنا لگتا ہی بہت کراہت انگیز تھا۔ وہ خود کو کسی ایسے مرد کے بازوؤں میں دیکھنا سخت ناپسند کرتی تھی جس سے اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔

کبھی کبھی اس کے خوابوں میں ایک شخص کی شبیہ ابھرتی، لیکن یہ اور بات تھی، اس سے اس کی وفاداری میں کوئی فرق نہ پڑتا۔لیکن پچھلے دنوں سے اس کی سوچوں میں ایک شخص نے انتشار پھیلا رکھا تھا۔اس کا چہرہ پتلا اور تیکھا تھا۔اوپر اٹھی ہوئی ستواں ناک تھی اور شعلہ بار سرخ آنکھیں اور ان سب پر مستزاد اس کی مسرت بخش موسیقی تھی.....

یہ حاضل تھا، حاضل کا تصور اکثر اس کی سوچوں پر مسلط رہتا۔کبھی کبھی وہ ایسے خیالات پر خود سے ناراض ہونے لگتی، کیونکہ اپنے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ ایک اچھے ماحول کی معزز تعلیم یافتہ اور صحت مند ذہن کی عورت ہے، جسے کسی غیر کا تصور ذہن میں بسانا زیب نہیں دیتا۔

ایسے تصورات کا پیچھا کرنے پر اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ عیسیٰ کی

آغوش میں پناہ لے لے۔ اس سے لپٹ جائے۔ اگر عین اس لمحے، عیسیٰ آ کر اسے زور سے سپر انداز ہو جاتی اور اس کی محبت کا جواب بھرپور محبت سے دیتی۔ اسے خود علم نہیں تھا لیکن وہ ان عورتوں میں سے تھی جو مغلوب اور تسخیر ہو جانا پسند کرتی ہیں۔

جب عیسیٰ بستر پر آیا تو فاطمہ چپ چاپ لیٹی تھی مگر ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سو رہی ہے۔ عیسیٰ کو اس کے لیٹنے کے انداز سے پتہ چل گیا کہ وہ جاگ رہی ہے۔ ''فاطمہ'' اس نے سرگوشی کی مگر فاطمہ سوتی بنی رہی۔ عیسیٰ آہ بھر کر چپ چاپ بیوی کے پاس لیٹ گیا۔ باہر مسلسل بارش ہوتی رہی کبھی کبھی اس میں تیز جھکڑوں کا اضافہ ہو جاتا جیسے کوئی جناتی ہاتھ تھوڑی تھوڑی دیر بعد پنکھا چلا دے۔

ابھی عیسیٰ سویا ہی تھا کہ کسی تیز دھماکے جیسی آواز سے چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کٹھل کے درخت کی ایک گلی ہوئی شاخ ہوا کے زور سے ٹوٹ کر ہمسایوں کی جستی چھت پر گری تھی۔

عیسیٰ پھر سو گیا اور ہر قسم کے ڈراؤنے خواب دیکھتا رہا۔ رائفلوں کے چلنے کی آواز رات بھر ایک پل کو بھی نہیں رکی۔

MashalBooks.org

(5)

اگلی صبح عیسیٰ جلدی جاگ گیا، وہ ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا منہ کا ذائقہ کسیلا اور سر بوجھل تھا، باہر ابھی تک بوندا باندی ہو رہی تھی۔ فاطمہ پہلے سے جاگی ہوئی تھی اور باورچی خانے سے اس کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اپنے پڑھنے کے کمرے میں گیا، گیلا فرش دیکھ کر اسے بہت کوفت ہوئی۔ بارش کا پانی مارجرین والے ڈبے سے بہہ گیا تھا، اس نے کھڑکی کھول کر پانی باہر پھینکا تو ایک بچے کی حیرت زدہ چیخ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے باہر جھانکا۔ ننھا سلیم پانی میں شرابور اسے ملامت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ عیسیٰ بہت شرمندہ ہوا، تھوڑی دیر کے لئے خائف بھی ہوا کیونکہ سلیم اس سے پہلے ہی ناراض تھا دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر سلیم مسکرایا اور زور سے چلایا۔

''پانی اور پھینکئے'' عیسیٰ نے ہنس کر جواب دیا۔ پانی اور نہیں ہے'' اس نے خالی ڈبہ اسے دکھایا۔

''فوراً اندر آ جاؤ، باہر بوندوں میں مت کھیلو، سردی لگ جائے گی، آؤ ہم مل کر نہاتے ہیں''

باتھ روم میں وہ ننھے سلیم کے ساتھ کھیلتا رہا۔ ٹھنڈے پانی نے اس کا سر درد کم کر کے اسے بشاش کر دیا تھا۔ کپڑے بھی اس نے گنگناتے ہوئے پہنے لیکن ناشتے کی میز پر آتے ہی ساری خوش مزاجی جاتی رہی۔ میز پر چینی کے بغیر سیاہ کافی اور رات کے بچے ہوئے کساوا نشاستہ کے ابلے ہوئے کچھ ٹکڑے گرم کیے رکھے تھے۔ فاطمہ اس سے کہہ رہی تھی۔

MashalBooks.org

''اگر تمہیں آج بھی پیسے نہ ملے تو خدا جانے میں کہاں سے چاول ادھار لاؤں گی، چینی بھی نہیں بچی، میں بی بی تاتا تانگ سے پہلے ہی پانچ لیٹر چاول ادھار لے چکی ہوں۔ دو دن کے وعدے پر لائی تھی لیکن ابھی تک واپس نہیں کر سکی اب تو دکان سے سبزی ترکاری لینا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ایک عرصے سے سبزی والے کا بل ادا نہیں کیا''

عیسیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کڑوی اور گرم کافی پیتا رہا۔ جس نے اس کی زبان اور حلق تو جلا دیئے لیکن معدے کو حرارت پہنچا دی۔ وہ فاطمہ کو الزام نہیں دیتا تھا، اس کی تنخواہ ہی اتنی کم تھی کہ اس سے دال روٹی بھی نہیں چل سکتی تھی اور اب تو سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ بھی باقاعدگی سے نہیں ملتی تھی، کبھی کبھی تو انہیں صرف ''امداد'' کی رقم ملتی۔

میز کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سوچا بنیادی طور پر تو ہماری ضروریات بہت مختصر ہیں، ہر روز دو لیٹر چاول، تھوڑا سا سبزی گوشت، کافی کے لئے تھوڑی سی چینی اور ہر مہینے فاطمہ کے لیے ایک کباجہ۔ (انڈونیشی سٹائل کا بلاؤز) سلیم کے لئے کپڑوں کا ایک جوڑا اور خود اس کے اپنے لئے ایک قمیص یا ایک پاجامہ۔

مگر ایک عرصے سے یہ مختصر ضروریات بھی پوری نہیں ہو رہی تھیں ''فاطمہ آج میں کوشش کروں گا کہ سکول سے کچھ رقم ایڈوانس مل جائے'' اس نے کافی کا کپ خالی کرتے ہوئے کہا اور اپنا بریف کیس اٹھائے سکول کی طرف روانہ ہوا۔ بارش رک گئی تھی اور دن نکھر آیا تھا۔ ''صبح بخیر'' کہتے ہوئے عیسیٰ کے ہمسائے حامدی نے اس سے ہاتھ ملایا۔

عیسیٰ نے اسے دیکھا، حامدی چھوٹے مگر مضبوط بدن کا مالک تھا۔ جاپانی قبضے کے دوران اس کی کوئی مستقل ملازمت نہ تھی مگر وہ کبھی پیسے کے بغیر نہیں رہا۔ وہ یا تو کوئی سوداگر تھا یا کوئی سمگلر۔ عیسیٰ اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے اس کے متعلق بہت سی کہانیاں سن رکھی تھیں آج کل افواہ تھی کہ وہ چاول کا کاروبار کر رہا ہے اور کنجوس ہونے کے باوجود انقلاب کے لئے بہت بڑے بڑے عطیات دے رہا ہے۔ ''صبح بخیر مسٹر حامدی'' دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ عیسیٰ نے اسے مخاطب کیا تو وہ رک گیا۔ ''آج کل کراما نگ کا چاول کیسا جا رہا ہے'' عیسیٰ کو ایک خیال سوجھ گیا تھا۔

''اس ہفتے تو ایک بوری بھی نہیں آئی۔ نوجوانوں نے سب کچھ جیکارانگ میں

ضبط کر رکھا ہے''

عیسیٰ کو سوجھنے والا خیال بھک سے اڑ گیا، لیکن پھر بھی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''آج شام تھوڑی دیر کے لئے آپ کے ٹرک کی ضرورت پڑے گی، عیسیٰ کو حاضل کا خط یاد آ گیا جو اس نے ٹرانسپورٹ کی فراہمی کے لئے لکھا تھا۔ ''آپ کو پتہ ہی ہے کہ انقلاب کے لئے کچھ.....''

''بالکل! بالکل!'' کس وقت چاہیے؟ انقلاب کے لئے تو ہم سب ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے چاول آنے پر میں ایک دو بوریاں بھی نذر کروں گا'' حامدی بہت پر جوش تھا۔

''بہت بہت شکریہ! ہمیں تین بجے ٹرک کی ضرورت پڑے گی'' عیسیٰ نے کہا۔

''ٹھیک ہے'' حامدی نے جواب دیا اور عیسیٰ ٹرام سٹاپ کی طرف چل پڑا۔ گلی کے دوراہے پر پاک دامرہ نے اس کو سلام کیا، ''مردیکا'' بابا تان سٹال کے آگے کھڑا دور سے چلایا۔ صبح بخیر! ماسٹر صاحب، ہر روز صبح وہاں سے گزرتے ہوئے یہ دونوں اسے ضرور سلام کرتے تھے۔

اس کے پہنچنے کے ساتھ ہی ٹرام چھوٹ گئی اور اسے اگلی ٹرام کا انتظار کرنا پڑا۔ جھنجھلا کر وہ سوچتا رہا، اگر میں حامدی سے بات کرنے کھڑا نہ ہوتا تو ٹرام نہ چھوٹتی۔

اس روز اس نے مشینی انداز سے پڑھایا۔ پڑھانے میں اس کا دھیان تھا ہی نہیں، اس کا تو بس یہ جی چاہ رہا تھا کہ سکول ختم ہو اور وہ جلدی سے جلدی حاضل سے ملے، اسکی بات سنے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر موسیقی کا لطف اٹھائے، حاضل ایک ڈرم لایا تھا، جسے دونوں باری باری بجاتے تھے، عیسیٰ کے لئے یہ لمحات بہت پر مسرت ہوتے۔ اس حد تک کہ وہ اپنے سب دکھ بھول جاتا۔

تفریح کا وقفہ آیا۔ یہ ایڈوانس مانگنے کا بہترین موقع تھا لیکن عیسیٰ کو اندر اندر دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ہیڈ ماسٹر انکار ہی نہ کر دے۔ دوسری طرف پیسے نہ لے جانے کی صورت میں فاطمہ کی ناراضگی کا ڈر تھا۔ اپنے ساتھ کافی دیر لڑنے کے بعد بالآخر اس نے ہیڈ ماسٹر سے درخواست کا فیصلہ کر ہی لیا، لیکن عین اسی لمحے گھنٹی بجی اور اسے کلاس روم میں جانا پڑا۔ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

MashalBooks.org

سکول کا وقت ختم ہو گیا۔ عیسیٰ کو خوشی تھی کہ عین اس وقت ہونے والی گھنٹی نے اسے مانگنے کی ذلت سے بچالیا۔ مانگتے ہوئے اسے اپنا آپ بالکل بھکاری لگتا تھا۔

درخواست مان لی جانے کی صورت میں تو خیر کچھ گزارا ہو ہی جاتا لیکن انکار کی صورت میں وہ بہت دنوں تک شرمندہ رہتا۔

عیسیٰ ابھی تک گھر نہیں گیا تھا۔ اس میں فاطمہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ سکول میں بیٹھا شاگردوں کی کاپیاں چیک کرتا رہا۔ آخر وہ بھی ختم ہو گئیں۔ وہ اٹھ کر جانچی ہوئی کاپیاں الماری میں رکھ رہا تھا کہ اس کی نظر نئی کاپیوں کے ایک پیکٹ پر پڑی۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں کوندے کی طرح آیا۔ جیسے کسی نے اسے سمجھایا کہ درجن بھر کاپیاں بیچ لینے سے اسے کچھ رقم مل سکتی ہے۔ اسے خود بہت شرم آئی۔ ایک لمحہ اندر کشمکش سی رہی۔ اسے اپنے ساتھ چوری کا تصور منسوب کرنا ناقابل یقین سا لگا۔ اس نے تلخی اور شرم کے ساتھ خود کو مخاطب کیا۔

میں اتنا نیچے بھی گر سکتا ہوں کہ اپنے ہی سکول سے چوری کروں؟!

اسے لگا جیسے لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم اسے چوری کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

اس کے دماغ کی سوچیں پڑھ رہا ہے، وہ اس کی چوری کی خواہش بھانپ گیا ہے۔

''کسی کو پتہ نہیں چلے گا اگر میں دس پندرہ کاپیاں نکال لے جاؤں۔ آج کل کون پڑتال کرتا ہے؟ اور یہ آسانی سے تانا بانگ کی جیسی دکان پر ساڑھے سات، سات روپے کی بک جائیں گی۔ تو اس کا مطلب ہوا دس کاپیوں کے پچھتر روپے ملیں گے جو اچھی خاصی رقم ہے۔

عیسیٰ نے ادھر ادھر دیکھا۔ دروازے کی طرف دیکھا اور اپنے کان قدموں کی آواز پر جما دیئے۔ سکول میں بالکل سناٹا تھا لیکن عیسیٰ کو درجنوں خاموش قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی جو اسے جھانک جھانک کر چوری کرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اس کا دل لرزا اور سارا خون اس کے سر میں جمع ہو گیا۔ بے قابو سانسوں کے ساتھ ساتھ اس کی کمر، کن پٹیاں اور ہتھیلیاں پسینہ پسینہ ہو گئیں۔ سوکھتے منہ اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے پیکٹ

کھولا اور دس کا پیاں نکال کر الماری بند کر دی۔ انہیں جلدی سے بریف کیس میں رکھا۔ بریف کیس میں بند کر لینے کے بعد وہ تھوڑا سا پرسکون ہوا، سانس بھی قدرے بحال ہوا۔ خود کو مزید سکون دینے کے لیے اس نے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا۔

سکول کی عمارت سے تانا بانگ تک جاتے ہوئے وہ مسلسل خود کو کوستا رہا۔ ''میں نے چوری کی ہے۔ میں ایک چور ہوں۔ میں ایک چور ہوں'' خود کو بے رحمی سے اذیت دیتے ہوئے وہ اپنی روح کی دھجیاں بکھیرتا رہا ایسا کرتے ہوئے اسے کچھ تسکین ملی جیسے یہ خود اذیتی اس کے گناہ کا کفارہ ہو۔

جب چینی دکان دار نے اسے ہر کاپی کے صرف پانچ روپے دیئے تو عیسیٰ اس سے بحث کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ اڑ جاتا تو اسے کاپیوں کے کچھ زیادہ پیس مل جاتے لیکن اڑ جانے کی ہمت تو جیسے کسی نے سلب کر لی تھی۔

فروخت سے حاصل ہونے والے پچاس روپے اس کی جیب کو بہت بھاری لگ رہے تھے بلکہ اس کا بدن ان کی تپش سے جل رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ دیکھنے والی ہر آنکھ کے راز سے واقف ہے۔

گھر پہنچا تو بالکل نڈھال اور سست تھا۔ کن پٹیاں چیخ رہی تھیں ''فاطمہ! صرف پچاس روپے ہی مل سکے'' جھوٹ بولتے ہوئے اس نے فاطمہ کو پچاس روپے پکڑا دیئے۔ یہ ان کی بیاہتا زندگی کا پہلا جھوٹ تھا جو اسے کاپیوں کی چوری سے بھی زیادہ اذیت دہ لگا۔ لیکن فاطمہ کے چہرے کی تسکین نے اس کے احساس جرم کو تھوڑا سا کم کر دیا۔ پچاس روپے پکڑ کر اس کے چہرے سے آنے والے وقت کی پریشانی کی کوفت کچھ نہ کچھ غائب ہوئی۔

''کم سے کم آنے والے کچھ دن تو مجھے گھر داری کی فکر نہیں کرنا پڑے گی۔''

فاطمہ نے خوشی سے کہا۔

''ابھی حاصل نہیں آیا؟'' میز کے سامنے بیٹھتے ہوئے عیسیٰ نے پوچھا ''نہیں! ابھی نہیں''

''سلیم کہاں ہے؟''

''اس نے کھانا جلدی کھا لیا تھا۔ اب کھیلنے گیا ہے تم نے حامد سے ٹرک کی بات کی؟''

''ہاں لیکن وہ ایک نمبر لفنگا ہے ظاہر یہ کرتا ہے کہ ہماری مدد کر رہا ہے لیکن خدا ہی جانتا ہے اس نے کروانگ سے جکارتہ چاول لانے میں کتنا پیسہ بنا لیا ہے۔ ہمیں تو وہ صرف ایک دو بوریاں دینے کی بات کرتا ہے۔ وہ بھی صرف باتیں ہی باتیں''۔

''تم اسے پسند نہیں کرتے؟''

''میں بہانے خوروں کو پسند نہیں کرتا''

یہ بات کہہ کر وہ ایک دم خاموش ہو گیا اسے خیال آیا کہ اب تو وہ خود بھی ایک بہانہ خور ہے، اس کو یہ خیال نہیں آیا کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی وقت بہانہ خوری میں مبتلا نہ ہوا ہو۔ کچھ خوف چھپانے کو، کچھ غم اور خوشی یا فخر چھپانے کو، کوئی جھوٹ کو چھپانا چاہتے ہیں اور کوئی سچ کو.....محبت اور نفرت کو اور ہزاروں دوسری چیزوں کو اور اس کام کے لئے بہانے کام آتے ہیں۔

عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ کچھ اور کہنے کے قابل نہیں رہا۔ فاطمہ نے اسے عجیب انداز سے دیکھا۔ اس نے پوچھا۔''تم ایک دم چپ کیوں ہو گئے؟''

''ارے نہیں، کوئی بات نہیں۔''

''شاید تم آج بعد دوپہر کے کام کے بارے میں سوچ رہے ہو۔''

''بھئی نہیں۔ وہ خاصا آسان ہے۔''اور جب وہ بول رہا تھا تو سوچ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر بہانہ تراش رہا ہے۔ دراصل ایک رات پہلے سے اور پھر صبح سے یہ شام والا کام اس کے دماغ پر سوار تھا کبھی دستک دیتا۔ کبھی اندر آنے کی اجازت مانگتا اور اب بالآخر وہ اس کے دماغ پر مسلط ہو چکا تھا۔ حاضل کا منصوبہ اسلحے کے چار ڈبے اور جاپانی اور امریکی ساخت کے دستی بم ایک دوسری جگہ پہنچانے کا تھا۔ عیسیٰ کے لئے یہ خیال ہی وحشت ناک تھا، جاپانی دستی بم تو جاپانی سپاہیوں سے خریدے گئے تھے جبکہ امریکی بم ہندوستانی مسلمانوں سے۔

حاضل نے اسے ایک خط میں لکھا تھا''اگر ہم دن کی روشنی میں اسلحہ منتقل کریں تو برطانوی سپاہیوں میں سے کسی کو شک بھی نہیں ہو گا کہ ہم اسلحہ لئے جا رہے ہیں اس لئے آپ اپنے ہمسائے حامدی سے ٹرک ادھار لینے کی کوشش کریں۔''

سامان آسام رجز میں جمع تھا اور وہاں سے منگرائے لے جایا جانا تھا۔ منگرائے

میں اسے ایک دوست کے ہاں چھپایا جانا تھا اور وہاں سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں ریل گاڑی سے کراوانگ تک پہنچانا تھا۔

درحقیقت عیسیٰ اس سارے کام میں حصہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ آرگنائزیشن میں شامل ہونے کے بعد عیسیٰ کے لئے اسلحہ لے جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس نے سوچا یہ لوگ تو اس کام کے ماہر ہیں لیکن میں کیا کروں گا؟''

''تم کیا سوچ رہے ہو؟'' فاطمہ کے سوال نے اسے چونکا دیا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ ان جوشیلے نوجوانوں کے ساتھ میرا جانا ٹھیک نہیں''

''لیکن انہیں تمہاری ضرورت ہے'' فاطمہ نے کہا۔ ''وہ سب تو بچے ہیں''۔

عیسیٰ دل ہی دل میں ہنسا.....خود پر بھی اور فاطمہ پر بھی۔ فاطمہ بہت بھولی ہے۔ وہ اب بھی سمجھتی ہے کہ میں ان بچوں کی ''رہبری'' کرسکتا ہوں اور وہ بھی بغاوت میں۔ اسے شک ہوا کہ وہ اسکا مذاق اڑا رہی ہے۔

ان بچوں کی رہبری کون کرسکتا تھا.....ان کے درمیان سے بھی کوئی نہیں۔ یکا یک ہر چیز عیسیٰ کو واضح نظر آنے لگی۔ اسے لگا جیسے مسئلہ اس کی گرفت میں ہے اور وہ اسے فاطمہ کو بھی سمجھا سکتا ہے۔

''انقلاب میں'' اس نے اپنی سوچوں کو مجتمع کیا ''بہت سے لوگوں کو اپنے مزاج کے الٹ کام کرنا پڑتا ہے۔ تم دیکھو، میں ایک استاد ہوں مجھے تشدد سے نفرت ہے۔ زندگی بھر میں کبھی جنگ جو نہیں رہا بلکہ ہمیشہ لڑنے بھڑنے سے نفرت کی۔ اسے ہمیشہ ایک غیر مہذب اور بیہودہ عادت سمجھا لیکن ان لڑکوں نے مجھے انقلاب کا لیڈر چن لیا ہے، مجھے یہ عہدہ دل سے قبول نہیں لیکن پھر بھی میں نے اسے قبول کیا ہے، تم پوچھو گی کیوں؟ اس لئے نہیں کہ میں انقلاب کی آگ میں جل رہا ہوں یا مجھے اپنے ملک سے شدید عشق ہے، مجھے اپنے ملک سے محبت ہے لیکن میرے خون میں ایسے جذبے کا نشان نہیں ملتا جو مجھے اس کے لئے اپنی جانی کی قربانی دینے یا اپنا خون بہانے پر مجبور کرے۔ میرے پاس کسی ایسے وطن کا تصور نہیں جو خون کے بدلے حاصل ہو۔ اگر کوئی ایسے جذبے کا دعویٰ رکھتا ہے تو وہ جھوٹا اور بناوٹی ہے۔ میں نے یہ عہدہ خوف کی بنیاد پر قبول کیا ہے اور اسے قبول کر کے میں مزید خوفزدہ ہوں۔'' اس نے فاطمہ کو متجسس نظروں سے دیکھا اس کا خیال تھا کہ فاطمہ اس پر

حقارت سے ہنسے گی اور اسے بزدل قرار دے گی لیکن فاطمہ خاموشی اور توجہ سے اسے دیکھتی رہی۔

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اور لوگ بھی میرے جیسے ہیں''۔عیسیٰ نے خصوصی طور پر کسی کا نام نہیں لیا لیکن بات بھی جاری نہیں رکھ سکا۔ فاطمہ نے اسے ٹوکا۔

''کھانا کھاؤ۔ میں تو ایسے آدمی کی جرأت کو داد دیتی ہوں جو ہتھیار ایک سے دوسری جگہ لے جا سکے اور تم یہ ہمت کر رہے ہو۔''

عیسیٰ ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بادلوں میں تیر رہا ہے۔ اس نے دوبارہ کھانا شروع کر دیا۔ ذہنی ہم آہنگی کے ایسے لمحات اس کی زندگی میں بہت کم آئے تھے لہٰذا اس کے لئے بہت قیمتی تھے۔ حاضل چار بجے تک نہیں پہنچا۔ چار بجے آتے ہی اس نے معذرت کی۔

''مجھے افسوس ہے کل رات میں نہ آ سکا۔ تیز بارش کی وجہ سے سادہ بسیار میں پھنس گیا۔ ٹرک کا انتظام ہو گیا؟''

''ہاں ہو گیا'' عیسیٰ نے مختصر جواب دیا۔ حاضل فاطمہ کے کہنے پر چائے پینے بیٹھ گیا۔ چائے پی کر وہ فوراً اٹھا۔

''وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ ہم لیٹ نہ ہو جائیں۔ عیسیٰ جلدی سے آ جاؤ''۔

عیسیٰ کو تھوڑا سا افسوس تھا کہ حاضل کے دیر سے آنے کی وجہ سے موسیقی کے لئے کچھ وقت نہ نکل سکا لیکن اپنی مایوسی چھپائے وہ حاضل کے پیچھے بھاگا جو گلی میں گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

''ایک منٹ تم یہیں انتظار کرو'' عیسیٰ نے کہا میں پتہ کر کے آتا ہوں کہ ٹرک کہاں ہے۔'' اور حامدی کے صحن کی طرف تیز تیز چلا۔ دستک دینے پر ایک منٹ بعد حامدی سارنگ (انڈونیشی دھوتی) اور بنیان پہنے باہر آیا۔ پسینہ اس کی گدی سے چھاتی اور موٹی کمر تک بہہ رہا تھا۔

''مردیکا'' اس نے نعرہ لگایا ''اوہ عیسیٰ ہے؟ معافی چاہتا ہوں میں نے لباس ڈھنگ سے نہیں پہنا، آج شام گرمی ہی بہت ہے''

''میں ٹرک کے بارے میں پوچھنے آیا تھا'' عیسیٰ حسب معمول سنجیدہ تھا۔

MashalBooks.org

''ہاں وہ انتظام میں نے کر دیا ہے۔ٹرک کو بان سری وتن میں ماڈرن ٹیلرز کے سامنے کھڑا ہے۔ڈرائیور بھی وہیں ہے۔''

''شکریہ! ہم جلدی میں ہیں، مردیکا''

''مردیکا؟'' حامدی نے کہا اور جلدی سے دروازہ بند کر کے بیڈروم کی طرف لپکا جہاں اس کی بیوی لیٹی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

حامدی کا ٹرک ٹکڑے جوڑ کر بنایا گیا تھا۔اس کی پشت تو بالکل ہی غائب تھی۔ کسی زمانے میں یہ شیورلیٹ ماڈل ہوتا ہوگا، لیکن اب اتنے مختلف فالتو پرزے پڑ جانے کے بعد شکل ہی بدل گئی تھی لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں جاپانی ساخت کی کچھ علامات ملتی تھیں۔ عیسیٰ نے ڈھکن پر لفظKargun (بحریہ) پہچان لیا۔ٹرک کی بتیاں آنکھ کی خالی پتلیوں جیسی تھیں۔ پائیدان کو تاروں کے ساتھ باقی ٹرک سے باندھا گیا تھا۔نوجوان بندروں کی طرح کودتے پھاندتے اس پر چڑھنے لگے۔

''کیا یہ چل جائے گا؟'' حاضل نے پچھلے ٹائر کو ٹھڈا مارتے ہوئے پوچھا۔ ڈرائیور جو ماڈرن ٹیلرز، مین بیٹھا درزیوں سے گپ ہانک رہا تھا۔انہیں دیکھ کر بھاگتا آیا اور نعرہ لگایا ''مردیکا'' وہ عیسیٰ کو جانتا تھا ''اسے بتاؤ ہمیں کہاں جانا ہے'' عیسیٰ نے حاضل کو مخاطب کیا ''تمہارا نام کیا ہے؟'' حاضل نے پوچھا۔

''عبداللہ''

''عبداللہ کیا ٹرک چلے گا؟'' حاضل نے پوچھا

عبداللہ ہنس پڑا۔ جناب اس کی شکل خراب ہے۔لیکن یہ کام ٹھیک ٹھاک کرتا ہے''

یہ کہتے ہوئے وہ سٹیرنگ وہیل پر آ بیٹھا۔ٹرک سٹارٹ کرنا چاہا لیکن ہلکی سی چوں کے بعد بات ٹھپ ہوگئی۔عبداللہ نے پھر کوشش کی مگر نتیجہ وہی نکلا۔

''یہ کیسے جا سکتا ہے؟'' حاضل بڑبڑایا۔

''یہ عجیب جانور ہے جی'' عبداللہ نے کہا ''صبح یہ فرسٹ کلاس چل رہا تھا۔بس اس کا سٹارٹر کمزور ہے ذرا''

ٹرک پر چڑھے جوان چیخے ''دھکا دھکا'' تو ماڈرن ٹیلرز سے درزنیں کام چھوڑ

کر مدد کے لئے آئیں۔ کافی پیتے ہوئے دو بس ڈرائیور اور کافی سٹال کا مالک بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

صرف بیس میٹر آگے جانے کے بعد ہی ٹرک کے انجن نے پھر گڑ بڑ شروع کر دی۔ پہلے کھانسا کھنکارا اور پھر پرانے بحری جہاز کے انجن کی طرح گرج کر دھماکہ کر دیا۔ نوجوان جوش سے چلاتے ہوئے عبداللہ کے پاس بیٹھ گئے۔

''ہر شخص انقلاب کی مدد کر کے خوش ہوتا ہے ہم سب کدھر جا رہے ہیں؟''

عبداللہ نے پوچھا۔

''آسام رگیز میں لیمونیڈ فیکٹری'' پل بھر کو تینوں خاموش ہو گئے۔ پھر حاضل عبداللہ سے مخاطب ہوا۔

''تمہیں معلوم ہے ہم کیا لیے جا رہے ہیں؟'' عبداللہ اپنے بڑے بڑے گندے دانت نکالتے ہوئے ہنسا اس نے سڑک پر تھوکا اور سٹیرنگ وھیل پر جوش سے ہاتھ مار کر بولا۔

''جو مرضی لے جائیں جی، میں آپ کے ساتھ ہوں''

''یہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے'' حاضل نے کہا ہم ہتھیار لے کر منگرائی جا رہے ہیں۔ وہاں ہم پہلے تو انہیں چھپائیں گے، پھر کراوانگ بھیج دیں گے۔ تم پھر بھی ہمارے ساتھ ہو؟''

عبداللہ نے جواب دیا ''جناب اگر آپ اور ماسٹر صاحب ہمت کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں کر سکتا۔''

عیسیٰ نے خود کلامی کی، کہاں کی ہمت! میں اس کام میں کیوں حصہ لے رہا ہوں آخر؟

''میرے ان کے سپاہیوں سے کچھ جھگڑے بھی ہوئے عبداللہ نے بتایا ''مسلمان ہندوستانی تو ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں، لیکن گورکھے بہت سخت ہیں مگر ہم کب تک ان گوروں، انگریزوں، امریکیوں اور ڈچ لوگوں کے ہاتھوں پستے رہیں گے''

''ہم امریکیوں اور انگریزوں کے خلاف جنگ نہیں لڑ رہے ہمارے دشمن صرف ڈچ ہیں'' حاضل نے وضاحت کی۔

MashalBooks.org

''آپ کو نہیں معلوم بنگ کارنو نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں انگریزوں کو کلف لگا دینا چاہیے اور امریکیوں پر استری پھیر دینا چاہیے۔ ہم عام لوگ تو اپنے لیڈروں کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ وہ ہمیں بائیں طرف چلائیں تو بائیں طرف چل پڑتے ہیں، دائیں طرف چلنے کو کہیں تو دائیں طرف چل پڑتے ہیں۔ ہم خود تو سیاست کے بارے میں کچھ نہیں جانتے مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی کہ ہم نے ابھی تک کام شروع کیوں نہیں کیا۔ دیہات میں لوگ جذبے سے بھرپور ہیں بلکہ ہر جگہ اگلا قدم اٹھانے کو تیار بیٹھے ہیں''

''اگر تم لڑنا چاہو عبداللہ، تو جکارتہ اس کے لئے مناسب جگہ نہیں ہے'' حاضل نے کہا ''ہم یہاں لڑ نہیں سکتے۔ یہاں دشمن بہت مضبوط ہے اس لئے ہمیں تیاریاں باہر کرنی چاہئیں۔ ہم بھی اسی لئے ہتھیار باہر لئے جا رہے ہیں۔

''یہ سب میری سمجھ سے باہر ہے'' عبداللہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انجن پٹ جنکشن کے پاس ایک بار پھر رک گیا لیکن وہاں مدد حاصل کرنا آسان تھا۔ راہگیروں نے دھکا لگانے میں ان کی مدد کی۔ جلدی ہی وہ لیمونیڈ فیکٹری کے سامنے پہنچ گئے۔

''فیکٹری کے پچھواڑے پہنچو'' حاضل نے عبداللہ کو ہدایت کی۔ پھر وہ اور عیسیٰ نیچے اترے اور ایک کیچڑ سے بھری پیچ دار گلی میں داخل ہو گئے۔ عیسیٰ راستہ بھول گیا مگر حاضل اندازے سے ایک جھونپڑے کے سامنے رکا۔ دستک دی اور اندر چلا گیا۔

''مردیکا! رحمت، ٹرک سڑک پر ہے۔ وہ باہر سے ہی چلایا۔ دروازہ آہستہ سے کھلا اور ایک آنکھ، ایک ناک، ایک ماتھے اور بالوں کے گچھے نے بہت احتیاط سے ان کا جائزہ لیا۔ جب آنکھ نے حاضل کو پہچان لیا تو دروازہ کھلا اور ایک آواز نے ان کا استقبال کیا۔ ''مردیکا! آپ لوگ بہت دیر سے آئے۔ ہم نے تو سوچ لیا تھا کہ آپ نہیں آئیں گے؟

''یہ عیسیٰ ہے۔ ہمارا دوست'' حاضل نے عیسیٰ کا تعارف کروایا پھر رحمت کی طرف رخ مڑا ''یہ رحمت ہے۔ بیکاسی میں پیپلز فورسز سے منسلک۔'' عیسیٰ اور رحمت نے ہاتھ ملائے۔ اندر داخل ہونے پر عیسیٰ نے جھونپڑے کی گہری تاریکی کے باوجود تین اور لوگ دیکھے۔ حاضل ان سب کو جانتا تھا۔ سب کو مردیکا سے مخاطب کرتے ہوئے وہ لکڑی

MashalBooks.org

کے بینچ پر بیٹھ گیا۔ عیسیٰ نے خود کو سب سے متعارف کروایا۔ جوں جوں اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں وہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔

حاضل کے بائیں طرف بیٹھا ہوا سائی انٹونگ سنین (جکارتہ کے نزدیک ایک جگہ) کی مخصوص پیداوار تھا۔ اس کا چہرہ کھردرا اور تقریباً چوکور تھا۔ اس کی بھنویں تنگ اور بال سیدھے مگر سخت تھے۔ ہونٹ موٹے اور آگے کو نکلے ہوئے تھے، آنکھیں شعلہ بار اور خون آور۔ وہ صرف ایک سیاہ سوتی نیکر پہنے ہوئے تھا اور تیراکوں کی دھاری دار قمیص۔ اس کی مونی ران سخت غلیظ تھی سر پر ایک سرخ رومال بندھا تھا۔

عیسیٰ کو لگا کہ وہ کسی بہت ہی ظالم اور سفاک چیز کے سامنے بیٹھا ہے، جو بالکل ابتدائی انسان لگتا ہے اور جس کے اندر ظلم کرنے کا ناقابل تسخیر جنون ہے۔ دوسرے دونوں کرن اور امام بھی ظاہری شکل وشبہات میں انٹونگ سے کچھ زیادہ دلکش نہیں تھے۔

''ٹھیک ہے''! حاضل نے رحمت سے کہا۔

اب عیسیٰ رحمت کو زیادہ صاف دیکھ سکتا تھا۔ وہ عمر میں حاضل کے برابر تھا۔ ایک خیال نے عیسیٰ کے ذہن کو چھوا۔ یہ انقلابی لڑکے بہت کم عمر ہیں، ان میں سے کوئی کوئی ہی انقلاب کی روح کو سمجھتا ہے۔ باقی سب تو کھیل تماشا سمجھ کر ساتھ لگے ہیں۔ یونہی جوش خروش کا ایک بہانہ۔ عیسیٰ نے محسوس کیا کہ حاضل کے چہرے پر ان نوجوانوں جیسی لکیریں اور ظالم جھریاں نہیں ہیں۔ یہ نوجوان کچھ مہینوں سے لڑ رہے تھے اور ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ قتل وخون، ظلم، قربانی اور لوٹ مار سے ان کا بہت قریبی رشتہ ہے۔

رحمت کے منہ کے گرد کی لکیریں بہت سخت تھیں۔ عیسیٰ کو لگا جیسے وہ ایک مسخ شدہ معصومیت دیکھ رہا ہے۔ جیسے رحمت کسی تجربے سے گزرا ہے جو اس نے خود نہیں چاہا ہوگا بلکہ اس پر ٹھونسا گیا ہوگا۔

''ٹھیک ہے'' حاضل کا اشارہ سمجھ کر رحمت نے باقی تینوں کو اٹھنے کا اشارہ دیا۔ وہ سب اٹھ کر جھونپڑے کے پچھواڑے چلے گئے۔ جہاں ناریل کے بہت سے درخت اور جھاڑ جھنکاڑ اگا ہوا تھا۔ اس جگہ سے صرف بیس میٹر دور ایک اور جھونپڑا تھا جہاں ایندھن کی لکڑی اور تازہ ناریل کے ڈھیر تھے۔ پاس ہی ایک کنواں تھا جس کی اینٹیں گہری سبز کائی سے ڈھکی تھیں کچھ تو ٹوٹ بھی چکی تھیں۔ جھونپڑے کے نزدیک جاتے ہی انہیں زمین سے

اٹھتی تیز بو کا احساس ہوا..... جو ساری فضا میں رچی ہوئی تھی، جیسے کسی مردہ چیز کی ہو۔

''یہ اتنی خوفناک اور تیز بو، کیا ہے؟''

رحمت نے ایک پل کے لئے حاضل کو دیکھا۔ پھر مڑ کر باقی تینوں کو دیکھا۔ عیسیٰ کے لئے بھی یہ بدبو، ناقابل برداشت تھی۔

''یہ بدبو تو اذیت ناک ہے۔ شاید کسی مردہ کتے یا مرغی کی ہے جسے دفن نہیں کیا گیا''

عیسیٰ کے یہ الفاظ سن کر انٹونگ نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''یہ کوئی مرغی یا کتا نہیں'' اس نے کہا ''یہ تو جاسوس ہیں..... دو چینی عورتیں۔ تین دن پہلے ہم نے ان کے گلے کاٹ دیئے وہ گاؤں میں سے گزرتی ہوئی پکڑی گئی تھیں وہ ہمارے سوالوں کے جواب دینے سے انکاری تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کسی سے اپنے پیسے لینے آئی ہیں۔ کون سے پیسے؟'' ہم نے ان کو یوں انجام تک پہنچایا؟ ''انٹونگ نے ایک ہاتھ کلہاڑے کی طرف بڑھایا اور دوسرے کی انگلی سے اپنے گلے پر کٹنے کا اشارہ کر کے اپنا طریق واردات سمجھایا۔ پھر اس نے زمین پر پاؤ بھر بلغم تھوکا اور فخر سے ہنسا۔ امام اور کون بھی اس کے قہقہے میں شامل ہو گئے۔

''انٹونگ اصلی جلاد ہے ہم میں سے کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ انٹونگ نے ان کے گلے کاٹ کر انہیں وہ پھینکا'' کرن نے کہا۔

اس ساری گفتگو کے دوران رحمت خاموش رہا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور وہ نظریں چرا رہا تھا۔

''میں نے انہیں کنویں میں پھینک دیا۔ بدبو اس لئے آ رہی ہے کہ تم مردوں نے کنواں اچھی طرح بند نہیں کیا'' انٹونگ نے کرن اور امام کو ڈانٹا۔ عیسیٰ کو ایسا لگا جیسے کسی یخ بستہ ہاتھ نے اس کے دل کو دبوچ لیا ہے۔ وہ چوکنا بھی تھا اور خوف سے لبریز بھی۔ فضا موت کی بو، سے بوجھل تھی۔ اس نے حاضل کی طرف دیکھا، حاضل کا چہرہ بھی زرد اور کھنچا ہوا تھا اور آنکھیں جیسے پتھرا سی گئی تھیں۔

ان چند لمحوں میں عیسیٰ نے جس دہشت کا تجربہ کیا وہ اس کے لئے پہلا اور نیا تھا۔ ایسا خوف تو اس نے جلان آسام لامہ میں ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ جھڑپ والے

MashalBooks.org

دن صمدی کے گھر میں چھپے ہوئے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ نہ ہی زخمی چینی کا لہو دیکھ کر، حالانکہ وہ اندھیرے میں آگ کے شعلے جیسا لگ رہا تھا۔

جس خوف کا سامنا ان دو چینی عورتوں نے کیا ہوگا، وہ انٹونگ کے بیان سے صاف جھلکتا تھا۔ حالانکہ اس نے تفصیل نہیں بتائی تھیں، لیکن انٹونگ کے چند لفظوں سے، رحمت کے چہرے اور آنکھوں کے تناؤ سے حاضل کی آنکھوں کے سخت اور سرد تاثر سے عیسیٰ کے دل پر جو گزر گئی وہ کسی تفصیلی کہانی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کا تخیل اصل حقیقت سے بھی آگے جا نکلا۔ بغیر کسی رکاوٹ کے اس کی سوچیں بھاگنے لگیں، خوف اور دہشت نے ان کی رفتار تیز کر دی تھی۔ عیسیٰ کا جی چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے، اپنے خوف اور دہشت کو دبانے کی کوشش میں اس نے پتلون بھگو لی۔ کنوئیں کی طرف دیکھنے کی تو اس کی ہمت ہی نہیں پڑی۔ وہ جلدی جلدی حاضل کے پیچھے جھونپڑی میں چلا گیا۔

رحمت کے تینوں ساتھی پہلے ہی ناریل کے سوکھے بالوں کے پیچھے سے اسلحے کے سبز ڈبے اٹھا رہے تھے۔ دستی بموں سے بھرا چوتھا ڈبہ حاضل اور عیسیٰ نے مل کر اٹھایا۔ رحمت ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

گاؤں کے لوگ انہیں فخر سے دیکھ کر بیک آواز ''مردیکا'' ''مردیکا'' کے نعرے لگاتے رہے۔ عبداللہ نے انہیں آتا دیکھ کر سگریٹ پھینکا اور ان کے استقبال کے لئے بھاگا عیسیٰ کے ہاتھ سے اس نے ڈبہ لے لیا ''یہ مجھے دے دیجئے صاحب۔''

ٹرک پر اسلحے کے ڈبے رکھ دیئے گئے تو رحمت نے باقی تینوں سے کچھ بات کی، انہوں نے سر ہلایا اور لیمونیڈ فیکٹری کے پیچھے ایک کھپریل والی کوٹھڑی میں غائب ہو گئے۔

حاضل نے عیسیٰ سے کہا ''آپ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھیں'' ہم دونوں پیچھے بیٹھ جاتے ہیں''

''نہیں ہم سب ہی پیچھے بیٹھتے ہیں'' عیسیٰ سے یہ کہتے ہوئے پیچھے بیٹھ گیا۔ عبداللہ نے گاڑی سٹارٹ کی جو پہلی دفعہ ہی چل پڑی۔ عبداللہ نے فخر یہ سر کھڑکی سے باہر نکالا اور حاضل کو مخاطب کر کے خوشی سے چلایا۔

''کیوں صاحب! میری گاڑی چلتی ہے نا؟''

وہ لوگ KMP (Dutch Inter—Island Packe Service) کے دفتر

کے پاس سے گزرے تو برطانوی دفتر کی نگرانی کرتے ہوئے ہندوستانی سپاہیوں کو دیکھ کر عیسیٰ خوفزدہ ہو گیا۔ ان کے قدموں کے نیچے اسلحے کے ڈبے تھے اور سپاہی سڑک کے کنارے کھڑے ٹرک کو دیکھ رہے تھے۔ حاضل نے سپاہیوں کو ہاتھ ہلایا اور نعرہ لگایا ''جے ہند'' جواباً سپاہیوں نے دانت نکالے تو عیسیٰ کی جان میں جان آئی۔

''یہ سکھ ہیں'' رحمت نے کہا، اس کے چہرے کا تناؤ غائب ہو چکا تھا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر اس نے ایک حاضل کو پیش کیا، دوسرا عیسیٰ کو۔ عیسیٰ نے معذرت کی مگر حاضل نے لے لیا۔ کئی بار کوشش کے بعد حاضل سگریٹ سلگا سکا۔ سگریٹ کا پہلا کش لیتے ہوئے وہ اچانک بولا۔

''ہمیں ان تینوں کو آرگنائزیشن سے نکال دینا چاہیے''

رحمت ایک دم دوبارہ پریشان ہو گیا۔ پھر جیسے خلا میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھ میں ہمت ہوتی تو انٹونگ کو جان سے مار دیتا، میں نے شروع سے آخر تک سب دیکھا''

عیسیٰ نے دیکھا کہ رحمت دونوں چینی عورتوں کے قتل کی کہانی سنانے کو ہی تھا۔ اس نے رحمت کو منع کرنے کے لئے منہ کھولا، خوف پھر سے اس پر مسلط ہو گیا تھا، لیکن پھر کسی اندرونی خواہش نے اسے روک دیا۔ رحمت بتاتا رہا۔ جیسے وہ واقعی تفصیل سننا چاہتا ہو۔

''یہ سب تین دن پہلے ہوا۔ دو چینی عورتیں.....ایک ماں اور دوسری اس کی بیٹی.....سولہ برس کی، اس گاؤں میں دکھائی دیں ہر ایک کو چوکنا کر دیا گیا، کچھ نے سوچا یہ دشمن کی جاسوس ہیں ان کا سارا پیسہ اور زیور بھی چوری ہو گیا تھا۔ میں بالکل بے بس تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے بغیر تحقیقات کے فیصلہ کیا کہ وہ جاسوس ہیں۔ انہیں گھسیٹ کر ناریل کے درختوں کے پاس لے جایا گیا اور انٹونگ نے کنوئیں کے قریب اپنے کلہاڑے سے ان کے گلے کاٹ ڈالے۔ ان کی گرفتاری سے ایک رات بعد ایسا کیا گیا۔

''عیسیٰ کو لگا جیسے اس کا بدن کمزور پڑ گیا'' درندگی..... نا قابل برداشت درندگی ''اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ غصے سے نہیں، خوف سے، غصہ نہیں، خوف۔ خوف اس کے دل میں سما گیا تھا، درندگی کی اس کہانی نے اسے لرزا دیا تھا۔''

MashalBooks.org

حاضل نے کہا جو عیسیٰ کے لفظوں کے پیچھے کے جذبات سمجھ نہیں سکا تھا۔ ''ہر احتجاج بے کار ہے۔ انسانی اختیار سے باہر ہے''

''مگر یہ نا قابل برداشت ہے، اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی'' عیسیٰ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''اجازت دینے یا نہ دینے کا تو سوال ہی نہیں، یہ سب تو ہو چکا ہے اور بار بار ہوتا رہے گا'' حاضل نے کہا۔ رحمت ایک لفظ نہیں بولا۔ سختی سے بھینچے منہ کے ساتھ وہ اپنے سامنے خلا میں گھورتا رہا۔ حاضل بولتا گیا۔

''تین دن پہلے یہ ان معصوم چینی عورتوں کے ساتھ ہوا۔ ایک ہفتہ پہلے جاٹی پیٹم بوران میں بھی ایسا ہی واقعہ ہوا۔ آٹھ برس کی چھوٹی سی یورپین لڑکی کو جاسوس قرار دے دیا گیا۔ جاسوس، جاسوس جیسے ہر جگہ جاسوس ہی جاسوس پھیلے ہوئے ہوں۔ ابھی کل کیمپنگ بالی میں ایک بوڑھے ڈچ کے ساتھ یہی سلوک ہوا جب تک انٹونگ، کرن اور ایمان جیسے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں، یہ سب ہوتا رہے گا اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے خاتمے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہے۔

منگراری پہنچ کر ٹرک آہستہ ہو گیا۔ ''دائیں طرف'' حاضل نے عبداللہ سے کہا۔ پھر ساکت وصامت بیٹھے رحمت سے مخاطب ہوا۔ ''ان میں سے کسی کو منگراری میں ہمارے خفیہ ٹھکانے کے بارے میں پتہ نہ چلنے دیا، میں ایسے لوگوں پر اعتبار نہیں کرتا۔ یہ جتنے وحشی ہوتے ہیں، اتنی جلدی دھوکہ بھی دیتے ہیں اور یہ بات دل سے نہ لگاؤ، اس بارے میں اتنے جذباتی نہ ہو..... یہ تمہاری اکیلے کی ذمہ داری نہیں، ہم سب کی ہے''

''تمہارا کیا خیال ہے میں نے خاموش رہ کر بزدلی کی ہے۔'' رحمت نے پوچھا ''تم کیا کر سکتے تھے، تم منع کرتے تو وہ تمہاری گردن بھی کاٹ دیتے'' حاضل نے اسے تسلی دی۔

حاضل نے ایک مکان کے سامنے ٹرک روکنے کا اشارہ کیا جو منگراری سوئمنگ پول کے پیچھے دوراہے کے پاس ایک ذیلی سڑک پر واقع تھا۔

تین نوجوان برآمدے میں بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ٹرک رکتا دیکھ کر وہ

بھاگتے ہوئے آئے۔

''مردیکا''

''جلدی کرو۔جلدی سے ہر چیز اندر پہنچاؤ''

سڑک بالکل خالی تھی۔ وہ جلدی جلدی سب ڈبے گھر کے اندر لے گئے سارا سامان اندر لے جانے کے بعد عیسیٰ کا چاروں نوجوانوں سے تعارف کرایا گیا وہ عمران جا جا، کریم، سزوسو تھے۔

کریم نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''یہ ڈبے چار قسطوں میں ریل گاڑی سے جا سکتے ہیں۔ ہمارے لوگوں میں سے کوئی انہیں کراوانگ تک لے جا سکتا ہے'' رخصت ہوتے ہوئے سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔رحمت وہیں رک گیا۔

ٹرک نے ایک بار پھر سٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔گھر میں کچھ لوگوں کو دھکا لگانے وہاں آنا پڑا مگر کامیابی نہ ہوئی تو دوسرے گھروں سے لوگوں کی مدد حاصل کی گئی۔

ٹرک چل پڑا تو عبداللہ جوش سے بولا'' آپ سب کو ماننا پڑے گا کہ ہمارے لوگ تعاون میں باکمال ہیں۔آج کل ہر جگہ انقلاب کے نام پر مدد لے لینا بہت آسان ہو گیا ہے۔''

دوسرے دونوں خاموش رہے۔

MashalBooks.org

(6)

''تم تشدد کے عادی ہو جاؤ گے۔ آدمی کے اندر حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔ نہ صرف فرض کے احساس سے بلکہ فرض کے احساس کے بغیر بھی انسان قتل کرتا ہے۔ خونریزی اور ظلم، ہر کوئی اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزرے گی رحمت بھی انسانی سر کو کاٹنے کے بارے میں سوچ رہا ہوگا یہ الگ بات ہے کہ وہ اونٹونگ جیسا انسان نہیں بنے گا'' حاضل نے کہا:

وہ عیسیٰ کے گھر پڑھنے کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ حاضل کھڑکی کے نزدیک کھڑا تھا۔ وائلن جو وہ تھوڑی دیر پہلے بجا رہا تا اس کے ہاتھ میں تھا۔ عیسیٰ ڈیسک کے پیچھے بیٹھا دو چینی عورتوں کے قتل کے کیس پر بات کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایسے ظلم کی نشان دہی ہونی چاہیے اور مجاہدین کو چاہیے کہ وہ ذمہ دار افراد کو اپنے ہاتھوں سزا دیں۔ اس کے بقول ''آزادی کی لڑائی میں قتل کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں تشدد کا عادی نہیں بنوں گا کیونکہ مجھے تو ایسے منظر سے کراہت آتی ہے۔

''تم ایسا کب کہتے ہو لیکن بعد میں تم بھی اس کے عادی بن جاؤ گے۔ اگر تم تشدد کا جواب تشدد سے نہیں دو گے تو اس قوت کی مزاحمت کیسے کر سکتے ہو جو ڈچ لوگوں نے ہم پر مسلط کر دی ہے؟'' حاضل نے پوچھا۔ عیسیٰ اس کا جواب جانتا تھا۔ جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلق تھا اگر وہ کر سکتا تو تشدد سے بھاگ جاتا یا پھر اسکے سامنے سر جھکا دیتا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ وہ یہ بات حاضل سے نہیں کہہ سکتا۔ حاضل اس سے ناراض ہو

MashalBooks.org

جاتا اور انکی دوستی ٹوٹ جاتی۔عیسیٰ جانتا تھا کہ حاصل کمٹ منٹ کے ساتھ کوشش کر رہا تھا اور اس نے اس جدوجہد میں اپنے تن من کی بازی لگا رکھی تھی۔

اس وقت تک کوئی ہتھیار نہیں بھیجے گئے تھے۔ حاصل کا کہنا تھا کہ دستی بموں کا چوتھا بکس اور گولہ بارود سلامتی کے ساتھ کاراوانگ پہنچ چکا تھا۔ اس سہ پہر کے بعد عیسیٰ آسام رینجز میں قیام کے دوران بہت سے ڈرا دینے والے خواب دیکھے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک تنگ وتاریک سیاہ کنوئیں کے اندھیرے میں گلی سڑی لاشوں کے ڈھیر کے اوپر گرا ہوا ہے۔ سب سے زیادہ ڈرا دینے والی بات یہ تھی کہ لاشوں کے چہرے اس کے اپنے چہرے تھے۔

اب یہ خواب کم ہی دکھائی دیتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ خوف و ہراس اس کی نیند سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ اب بھی خواب میں ایسی سڑک دیکھتا جس کا کہیں خاتمہ نہ تھا۔ وہ روشنی کی ایک لکڑی کی طرح تھی جو مکمل اندھیرے میں گم ہو جاتی ہے۔عیسیٰ حواس باختہ ہو کر بھاگتا، کوئی انجانی خوفناک چیز اس کا پیچھا کرتی اور مہمیز کی طرح اسے دوڑائے جاتی۔ اس خواب کے ساتھ گہرے تاریک کنوئیں والا خواب بھی شامل ہو گیا۔ حاصل نے اس گفتگو سے پہل تہی کرتے ہوئے کہا۔'' آؤ دوبارہ کوششیں کریں۔'' اور وائلن اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر دوبارہ اپنی دھن بجانی شروع کی جوانسانی خوشی کی تلاش کی دھن تھی۔ حاصل اس پر ابھی تک کام کر رہا تھا۔عیسیٰ ڈرم بجا رہا تھا۔

ٹرک میں سب نوجوان گفتگو کر رہے تھے۔

''جو ہونا ہے وہ تو ہونا ہے۔ہمیں صرف ایک بار مرنا ہے جب مجھے پہلی مرتبہ کسی پر گولی چلانی پڑی تھی تو میرا پیشاب نکل گیا تھا وہ ہنسنے لگے اب تو تم بھی بہت خوشی سے گولی چلا لیتے ہو۔''

''اگر ہم انہیں گولی نہیں ماریں گے تو وہ ہمیں گولی ماردیں گے اور اگر تم مر گئے تو اس کے بعد سب بے معنی ہے۔ موت کے بارے میں تمہیں سب سے آخر میں سوچنا چاہیے۔ کیا تمہیں وہ گورکھا سپاہی یاد ہے جسے فحاشی کے اڈے سے باہر گرفتار کیا گیا تھا؟'' وہ دوبارہ ہنسنے لگے۔''اس نے ابھی پتلون کی زپ بھی بند نہیں کی تھی۔'' وہ دوبارہ ہنسنے

لگے۔ ''شیطان'' اور وہ تانگرانگ والا جاپانی جس نے نعرہ لگایا تھا ''جاپان زندہ باد'' جبکہ بانس کا نیزہ اس کے سینے میں پیوست ہو رہا تھا، جاپانی لوگ مرنے کا فن جانتے ہیں! میں نے کبھی کوئی ایسا جاپانی نہیں دیکھا جو موت کو سامنے دیکھ کر چیخے یا رحم کی بھیک مانگے۔ کسی کو قتل کرنے کا بہترین طریقہ گولی سے مارنا ہے یہ مارنے کا ایک جلد اور آسان طریقہ ہے۔''

''لیکن اس میں مزہ نہیں آتا۔'' میں تو گلا کاٹنے کو ترجیح دیتا ہوں۔

''تم بھی تو قتل کرنے کے ماہر ہو۔''

وہ دوبارہ ہنسنے لگے۔

جہاں ان کے ٹرک کھڑے تھے وہاں تمام بتیاں گل ہو چکی تھیں گلی میں گھروں کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ عیسیٰ نے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے نوجوانوں کی گفتگو بڑے خوف کے ساتھ سنی۔ کوئی ڈرا دینے والی چیز اس کے دل میں سما رہی تھی۔ اس کا جسم ٹھنڈا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے جھرجھری لی۔ اسے کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ وہ موت سے متعلق ان کے ہنسی مذاق میں حصہ لے۔ زندہ شخص کو چاہیے کہ موت کو بھول جائے کیونکہ موت نہ تو خوبصورت ہے اور نہ ہی پرکشش لیکن زندگی بھی تو خوبصورت اور پرکشش نہیں۔ یہ بھی تو خوف اور دہشت سے بھری پڑی ہے۔ ایک تعاقب کرنے والا خوف۔ حتیٰ کے نیند اور خواب بھی اسی خوف سے بھرے ہوتے ہیں۔ ایک دن سے اگلے دن تک کوئی سکھ چین نہیں۔ دن ہو یا رات، آج یا کل اور کل کے بعد بھی دہشت منتظر ہوتی ہے اور پھر اس کے پیچھے نئے نئے خوف۔

اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ڈرائیور عبداللہ اعصابی تناؤ کی حالت میں تھا۔ وہ موت سے متعلق ان کی ہنسی مذاق کو سن رہا تھا اور خوفزدہ تھا۔ جب وہ اضطراری حالت میں بار بار سگریٹ سلگاتا تو سگریٹ کی ہلکی سی روشنی اس کے کھردرے چہرے پر پڑتی۔ عیسیٰ اس کے چہرے سے اس کے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا لیکن وہ تو بالکل سپاٹ تھا۔ عیسیٰ نے اپنے آپ کو خوف کے پنجوں میں اور زیادہ تنہا محسوس کیا۔ ٹرک کے پاس سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے تین نوجوانوں کی گفتگو دوبارہ عیسیٰ کے کانوں میں پڑنے لگی۔

MashalBooks.org

''مجھے تو پہلے ہی مر جانا چاہیے تھا''۔ ان میں سے ایک نے کہا ''کیا تمہیں کیرٹ کے مقام پر پولیس چوکی پر این ٹی سی اے والوں کا حملہ یاد ہے؟ میں وہیں تھا تمام پولیس والوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ مجھے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ میں ایک پولیس والے کی لاش کے پاس بے حس وحرکت پڑا رہا۔ انہوں نے کوئی خصوصی توجہ نہیں دی اور چلے گئے۔ پھر تانا تنگی کے مقام پر لڑائی کے دوران میرے قریب کھڑے آدمی کو گولی لگی۔ مجھے کسی نے چھوا تک نہیں۔ اب میں موت کے بارے میں مزید نہیں سوچتا میں ہمیشہ اس حوالے سے خوش قسمت ہی رہا ہوں۔'' ''اتنے رجائی مت بنو'' دوسرے نے کہا۔ ''موت کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ نہ تم اور نہ ہی ہم میں سے کوئی موت کو روک سکتا ہے'' پہلا شخص ہنسا اور کہنے لگا ''اگر ہم سب قتل بھی کر دیئے جائیں تب بھی ہمیں روکا نہیں جا سکتا۔'' اور عیسیٰ نے اس سڑک کے بارے میں سوچا جس کا کوئی آخری سرا نہیں تھا۔

اس سڑک پر جب ایک مرتبہ قدم رکھ دیا جائے تو سفر کے بغیر کسی خاتمے کے جاری رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سڑک اس کے خوف کی سڑک تھی۔ وہ ان کے ساتھ موت کی باتیں کرنے سے ڈرتا تھا اور ان کی گفتگو میں شرکت نہ کرنے سے ڈر اور بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ ان انقلابی نوجوانوں کے ساتھ عرصے سے رہ رہا تھا مگر عیسیٰ کے دل میں اس جدوجہد کا کوئی لطف نہیں تھا۔ اس کا خوف اسے جوش کے کسی احساس کی اجازت نہ دیتا تھا۔

جہاں ٹرک کھڑے تھے وہاں سے قریبی گلی سے حاضل باہر نکلا۔ ''وہ ابھی تک اسلحہ لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ ہندوستانی جو اسلحہ لا کر فروخت کرتے تھے کل نہیں آئے۔ چلو واپس چلتے ہیں'' تین نوجوان جو موت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے لپک کر ٹرک کے پیچھے سوار ہوئے حاضل عیسیٰ اور ڈرائیور کے ساتھ گھس کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ نے سٹارٹر دبایا لیکن انجن نے کام نہ کیا۔ اس نے دوبارہ اسے دبایا لیکن اب بھی سٹارٹر کی ہی آواز سنائی دی حاضل نے ٹرک سے نیچے چھلانگ لگائی عیسیٰ نے بھی اس کی پیروی کی۔ ''سروسو، دجاجا، ایمان دھکا لگاؤ'' حاضل نے تینوں نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو پہلے ہی ٹرک سے نیچے اتر چکے تھے۔ ''عجیب شیطانی ٹرک ہے'' ایمان نے پریشان ہو کر کہا تو سب ہنسنے لگے۔

MashalBooks.org

جب وہ ٹرک کو دھکا لگا رہے تھے تو عیسیٰ ایک لمحے کے لئے پھر کانپ گیا۔ اسے موت کا مذاق اڑانے والے ان تین نوجوانوں کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔ جب حاضل، رحمت اور وہ خود دستی بموں اور بارود کے چار صندوق لے کر منگراری جا رہے تھے۔ اس ملاقات کے وقت اسے گمان بھی نہیں تھا کہ یہ تینوں اس طرح کی باتیں کر سکتے ہیں کیونکہ اس وقت تو وہ عام سے لڑکے ہی لگتے تھے ان کے چہروں پر ظلم کا نشان تک نہ تھا، عیسیٰ کو لگا کہ وہ ایک انجانی دنیا میں اجنبیوں کے ساتھ مل کر ٹرک کو دھکیل رہا ہے۔ جس کو وہ جانتا تھا وہ صرف حاضل تھا لیکن حاضل کے بارے میں وہ جو کچھ بھی جانتا تھا وہ اس کی موسیقی تھی۔ موسیقی کے علاوہ جو کچھ بھی تھا صرف ایک اسرار تھا۔ اس رات وہ نڈھال حالت میں ٹرک کو دھکا لگاتا رہا۔ ٹرک کافی دیر بعد سٹارٹ ہوا۔

جنوری ۱۹۴۷ء..... عیسیٰ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گندے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اس لفافے میں حاضل کا ایک خط تھا جو کاراوانگ سے رحمت لے کر آیا تھا رحمت اس سہ پہر اس کے گھر آ رہا تھا۔ باہر سکول کے بچوں نے طوفان اٹھا رکھا تھا اور آدھی چھٹی کے وقت کھیل رہے تھے۔ جماعت کا کمرہ بالکل خالی تھا۔ جونہی عیسیٰ خط کھولنے لگا تو صالح اندر داخل ہوا۔

''عیسیٰ'' اس نے کہا ''میں تم سے مشورہ لینے آیا ہوں'' وہ عیسیٰ کے ڈیسک کے سامنے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

''ہاں'' عیسیٰ نے اپنا سر اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں باہر جانا چاہتا ہوں۔''

''باہر جانا چاہتے ہو؟'' عیسیٰ نے پوچھا۔ اس کی دلچسپی بڑھی۔ اسے الفاظ میں شیرینی محسوس ہوئی۔ اس تمام دھندے سے بھاگنا چاہتے ہو؟''

جکارتا سے بھاگنا جو کہ دہشت، موت، تشدد اور قتل و غارت سے بھرا پڑا تھا۔

''میں پرواکارتا جانا چاہتا ہوں۔ اپنے والدین کے گھر میں یہ سب مزید برداشت نہیں کر سکتا..... رات بھر کی بے خوابی..... ہر لمحے پولیس کے چھاپے کل این آئی سی اے والوں نے میرے ایک پڑوسی کو گرفتار کر لیا۔'' ''کیا ہمارا

سربراہ اس کے لئے رضامند ہے؟'' عیسیٰ نے پوچھا۔

''ہاں'' اس کا کہنا ہے کہ اگر میں جانا چاہتا ہوں تو وہ مجھے روک نہیں سکتا لیکن اس کے لئے مجھے استعفیٰ دینا ہوگا کیونکہ وہ مجھے چھٹی نہیں دے سکتا۔''

''کیا تم نے استعفیٰ دے دیا ہے؟''

''ہاں''۔ میں پرواکارتا میں کوئی اور نوکری تلاش کرلوں گا۔ اس طرح کون زندگی گزار سکتا ہے؟''

عیسیٰ نے سکون محسوس کیا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اپنے خوف میں وہ تنہا نہیں ہے۔ صالح بھی خوفزدہ تھا۔ یہی حال دوسروں کا تھا۔ وہ سب خوفزدہ تھے۔ میں بھی کیوں نہ بھاگ جاؤں؟ میں بھی پھر آزاد ہوں گا۔ عیسیٰ نے سوچا میرا پھر وہی پرانا وجود ہو گا۔ وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔ ''اس صورت حال میں میرا خیال ہے کہ تمہارے لیے جانا اچھا ہے تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' صالح نے پوچھا۔

''پہلے مجھے سوچنا ہوگا'' عیسیٰ نے جواب دیا۔ صالح کو یہ مشورہ دے کر بڑی خوشی ہوئی۔ صالح کو بھی اس بات سے تسلی ہوئی کہ عیسیٰ کو اس پروگرام سے اتفاق تھا کہ وہ یہ نوکری چھوڑ کر شہر سے باہر کہیں اور پناہ حاصل کرے۔ اس نے عیسیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم اس خوفزدہ کر دینے والی فضا میں بھی پرسکون ہو''

عیسیٰ یہ سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے شبہ ہوا کہ صالح اس کا مذاق اڑا رہا ہے اس نے صالح کی طرف دیکھا مگر اس کی آنکھوں میں خوشی کی کوئی روشنی نہیں تھی۔ عیسیٰ کا احساس مسرت دوبارہ پلٹ آیا۔

''انسان کی ایسی صورتحال میں صرف اپنا فرض ادا کرسکتا ہے'' اس نے سادگی سے کہا۔ شاذونادر ہی ایسا ہوتا تھا کہ وہ اس طرح بات کرے۔

جونہی سکول کی گھنٹی نے بچوں کے واپس جماعت میں آنے کا اعلان کیا صالح نے ہاتھ ملایا اور چلا گیا۔ پڑھاتے ہوئے اس کا دماغ گردش کرتا رہا اور وہ سوچتا رہا کہ کتنا اچھا ہوتا اگر وہ بھی بھاگ گیا ہوتا۔ ساتھ ساتھ حاضل کی میز پر پڑا خط بھی اس کی توجہ

MashalBooks.org

اپنی طرف مبذول کراتا رہا۔ حاضل کو کیا کہنا ہے؟ سکول کے بعد وہ اپنے ڈیسک پر جا بیٹھا اور یوں ظاہر کرنے لگا جیسے سکول کے بچوں کا کام چیک کر رہا ہو لیکن دراصل وہ تمام اساتذہ کے گھروں کو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ سکول خالی ہو گیا۔ عیسیٰ حساب کے پرچے چیک کرتا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ سب لوگ چلے گئے ہیں تو وہ جلدی سے الماری کی طرف بڑھا۔ جب بھی اس نے کاپیاں چوری کیں احساس ندامت نے اسے بہت تنگ کیا لیکن آہستہ آہستہ یہ احساس ندامت کم ہوتا گیا۔ آج تو اسے شرم کا احساس تک نہ ہوا۔ ایک لمحے کے لئے اسے حاضل کے الفاظ یاد آئے۔ کہ آدمی کسی بھی چیز کا عادی بن سکتا ہے چاہے یہ تشدد ہو، قتل ہو یا چوری۔ اس کے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ اس نے تو ابھی تک حاضل کا خط نہیں پڑھا تھا۔ اس نے جلدی سے اسے کھولا۔ حاضل نے لکھا تھا ''عیسیٰ میں تقریباً ایک ماہ سے کاراوانگ میں ہوں لیکن آج مجھے پہلی مرتبہ موقع ملا ہے کہ تمہیں کوئی خبر سناؤں۔ ہم کاراوانگ کے علاقے میں عوامی فوج تیار کرنے میں مصروف رہے۔ کرنے کو بہت کچھ ہے مگر ایماندار اور قابل اعتماد لوگوں کی کمی ہے جو یہ سب کر سکیں۔ میرا خط لکھنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تمہیں انقلاب کی اہمیت اور ولولے کے بارے میں بتاؤں تاکہ تم ہمارے ساتھ اس میں شریک ہو سکو۔ لیکن یہ مکمل بات نہیں ہو گی اگر میں صرف تمہیں صرف اچھائیاں ہی بتاؤں یہ تو اپنے آپ کو اور تمہیں دھوکہ دینے کے مترادف ہو گا۔ بے شک ہم میں سے اکثر لوگوں کے آدرش بہت بلند ہیں لیکن مجھے دن بدن ایسے لوگ کثرت کے ساتھ نظر آ رہے ہیں جو انقلاب کا لبادہ اوڑھ کر اپنے گھٹیا مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کتنے ہی جنگجو سردار ہمارے اندر پیدا ہو گئے ہیں! مسلح گروہوں کے رہنما جو کسی بھی چیز کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ اکثر لوگوں کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اور ان سے چاول، گوشت اور روپوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے جو ظلم وہ کرتے ہیں وہ ناقابل بیان ہے۔ بعض اوقات میں یہ سوچ کر شرم سے غرق ہو جاتا ہوں کہ ہم جکارتا میں این آئی سی اے (Nica) کی جس دہشت اور تشدد کی مذمت کرتے ہیں وہی سب کچھ ہم اپنے لوگوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔

میں تمہیں ایک بے مقصد، ظالمانہ اور غیر ضروری قتل کے بارے میں بتاتا ہوں جو بالکل اس انداز میں کیا گیا جس طرح تم چیونٹی کو مسل دیتے ہو۔ بالکل اسی

طرح ..... وہ ایک دیہاتی خوانچہ فروش تھا۔ جو جکارتا سے آیا تھا اس کے پاس کپڑے کے بنڈل اور قمیضیں تھیں بے چارہ معمولی دیہاتی خوانچہ فروش، انہوں نے اسے بکاسی کے مقام پر پکڑا اور ٹرین سے باہر نکال لیا۔ پھر اسے باقاعدہ لوگوں کی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا، جہاں اس کے تمام سامان کی تلاشی لی گئی تو انہیں ایک تولیہ ملا جس کے برانڈ کی مہر کے کناروں پر سرخ سفید اور نیلا رنگ تھا۔ صرف اس قصور میں اس رات اس کو قتل کر دیا گیا۔ مجھے یہ کہانی رحمت نے سنائی جس کا شاید مقدر بن گیا ہے کہ اپنے لوگوں کے خلاف ہونے والے ظلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس نے اسے قتل ہوتے تو نہیں دیکھا مگر تلاشی۔ انکوائری اور سزائے موت سنائے جانے کے وقت وہ وہیں تھا۔ اب ہم اپنے آپ سے بھی خوفزدہ ہیں ہر ایک پر شک کیا جاتا ہے کہ کہیں وہ دشمنوں کا جاسوس نہ ہو۔

رحمت اب تشدد دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ وہ ہمارے سب سے بہادر آدمیوں میں سے ہے لیکن پھر بھی وہ کچھ کہتا نہیں ہے اس کے احساسات بہت گہرے ہیں۔ وہ دن بدن کم گو ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کریم تو یقیناً تمہیں یاد ہو گا۔ وہ بکاسی کے نزدیک دشمنوں کے جتھے سے لڑائی کے دوران شدید زخمی ہو گیا ہے اور ان دنوں پروا کارتا کے فوجی ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اگر تمہارے پاس کچھ اخبار ہوں تو رحمت کے ہاتھ اسے بھجوا دو۔

یہ انقلاب ایک سیلاب کی طرح ہے اور اب کوئی بھی اس کے بہاؤ پر قابو نہیں پا سکتا۔ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ ہماری مرضی کے بغیر اپنے ہی راستے پر چل پڑتا ہے۔ میں ایک ماہ جکارتا سے باہر جا رہا ہوں کیونکہ ڈچ انٹیلی جینس ایجنسی اور انگلش فیلڈ سکیورٹی والے میری تلاش میں ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف لبادوں میں اور بھی بہت سے خوف ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ راستہ جس کا کوئی اختتام نہیں ہے اور جسے ہم نے خود چنا ہے اس پر ہم ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے کیونکہ ہم زیادہ مضبوط نہیں ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ڈرا ہوا شخص اس خوف سے بھری دنیا میں کچھ حاصل کر سکے؟

ہر قسم کے خوف ہمیں ہر سمت سے ڈرا رہے ہیں لیکن اب میں دوبارہ اپنے آپ پر ہنس سکتا ہوں۔ میں جکارتا سے کیوں بھاگوں؟ صرف اس لئے کہ میں انٹیلی جینس ایجنسیوں اور فیلڈ سکیورٹی والوں سے خوفزدہ ہوں؟ ہم ہر چیز سے نہیں ڈر سکتے۔ اس لئے جونہی میرا کام یہاں ختم ہو گا میں جکارتا واپس چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہاں بھی میں اپنے

MashalBooks.org

وائلن سے علیحدہ نہیں ہوں لیکن میری شدید خواہش ہے کہ میں دوبارہ اسے بجا سکوں۔ بے شک مجھے اپنے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے بہت سے تجربات ہوئے ہیں جنہوں نے میرے وئلن بجانے کے فن کو ترقی دینے میں بڑی مدد کی۔ خط کو پڑھنے کے بعد جلا دینا۔ یہ ایک اور خوف ہے کہ مبادا خط کسی ایسے شخص کے ہاتھ لگ جائے جو ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہو لیکن مجھے امید ہے کہ یہ خوف ایک صحت مند خوف ہے۔ یہاں کے حالات سے متعلق میں تمہیں بہت کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ جو اگرچہ بہت زیادہ خوفناک ہے مگر بہت دلچسپ ہے۔ رحمت بھی باقی معاملات کے بارے میں بتا دے گا۔ فاطمہ کو میری طرف سے آداب۔''

یوں حاضل نے اپنے خط کا اختتام کیا۔عیسیٰ نے خط کو میز پر مارتے ہوئے خود کو بے چین محسوس کیا۔اس نے صالح کے بارے میں سوچا جو پارٹی چھوڑ کر جا رہا تھا۔''سب ہی''عیسیٰ نے سوچا''تحفظ نہیں ملے گا۔''اچانک اس نے خود کو بہت مایوس پایا۔اسے یوں لگا جیسے وہ خود پارٹی چھوڑ کر جا رہا ہو لیکن پارٹی چھوڑنا بھی اس کے لئے مددگار ثابت نہیں ہوگا۔اسے ایک دم بہت سے خوفوں نے گھیر لیا جکارتا میں رہنے کا خوف، جہاں اس کی تنخواہ ہر روز کم ہوتی جا رہی تھی، پھر دن رات کے ہر لمحے این آئی سی اے والوں کا خوف اس کے اوپر بہت زیادہ قوت کے ساتھ مسلط تھا۔ وہ خوف کے نیچے یوں دبا پڑا تھا جیسے کسی مجرم کو موت کی کوٹھڑی میں پھینک کر دروازہ بند کر دیا جائے۔تک وہ کبھی فرار حاصل نہیں کر سکے گا۔ بے شک اپنے دل کی گہرائیوں میں وہ فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہا تھا ہر قسم کے خوف سے فرار کے بارے میں آج صبح صالح نے اسے خود امید دلائی تھی۔اب حاضل کے خط نے وہ امید تباہ کر دی تھی۔اس نے خط ہاتھ میں دبایا،سکول کے چوکیدار کو بلایا، اس سے ماچس منگوائی اور اس کے سامنے ہی خط جلا دیا۔ پھر اپنی ایڑی کے ساتھ راکھ کو زمین پر مسل دیا۔سکول سے نکل کر پسارتا ناہ ابانگ میں ایک چینی سٹور پر کاپیاں بیچنے کے بعد وہ تیزی سے اپنے گھر کی طرف لپکا۔

''اگرچہ لنگادجاتی کے معاہدے پر دستخط ہو چکے ہیں لیکن لوگ اندر ہیں ان کا خیال ہے کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بنیادی سوال شہر کے اندر اور باہر والے لوگوں کے درمیان متعین، باقاعدہ اور گارنٹی شدہ ابلاغ کا ہے'' رحمت نے کہا۔ وہ عیسیٰ کے

دارالمطالعہ میں بیٹھے تھے۔''اس بار ہمارا سارا کام ادھورا رہا کیونکہ ہماری تنظیم کی حالت اچھی نہیں تھی۔اب ہم نے خاصا فنڈ اکٹھا کرلیا ہے تاکہ ہم شہر اور گاؤں دونوں جگہ پر اپنی کوششوں میں ربط رکھ سکیں۔ہمیں ایک فرق رکھنا ہوگا خریدنے والوں کے درمیان، پہنچانے والوں اور سٹور کرنے والوں کے درمیان اور ان کے درمیان جو باہر پہنچا سکیں اس طرح امید ہے کہ ہم خطرے کو کم کرلیں گے کیونکہ جب ایک ہی قسم کے لوگ ہر سطح پر آپریشن کے ذمہ دار ہوتے ہیں تو پکڑے جانے کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ تم جکارتا کے فنڈ کے ذمہ دار ہو۔وقتاً فوقتاً کچھ لوگ خط اور دفتری کاغذات کے ہمراہ کاراوانگ کے ہیڈ کوارٹر سے آئیں گے اور رقم کا مطالبہ کریں گے۔''

عیسیٰ حیران رہ گیا۔اس کا پہلا ردعمل انکار کردینے کا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے یہ ذمہ داری قبول کر لی تو وہ زیادہ خطرناک اور خوفناک صورت حال میں گرفتار ہو جائے گا مگر کیا وہ انکار کرسکتا ہے؟ وہ کیسے انکار کرسکتا تھا؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ وہ انکار سے خوفزدہ تھا۔وہ خوفزدہ تھا کہ اگر اس نے انکار کیا تو اس پر غداری کا الزام لگے گا۔لیکن اگر اس نے یہ کام قبول کرلیا تو تباہی اس پر آن گرے گی۔مگر انکار کی صورت میں زیادہ بڑی تباہی و بربادی اس کا مقدر بنے گی۔اس نے رحمت کے چہرے کی سختیوں میں شک یا سوال کا کوئی نشان نہ پایا۔رحمت بالکل ایسے اپنا کردار ادا کر رہا تھا جیسے یہ ایک معمول کی ذمہ داری ہے جسے عیسیٰ بغیر کسی سوال یا ہچکچاہٹ کے قبول کرے گا۔رحمت کے نزدیک یہ ایک فرض تھا اسے یہ احساس ہی تھا کہ اس فرض سے انکار بھی ہوسکتا ہے۔اسے اندازہ تو تھا کہ اگر عیسیٰ نے اس ذمہ داری کو قبول کرلیا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی روح اور جسم ٹوٹ پھوٹ جائیں لیکن پھر بھی وہ پریقین تھا کہ ہر حال میں وہ اس ذمہ داری کو قبول کرے گا کیونکہ یہ لازمی تھا۔عیسیٰ صرف یہ کہہ سکا۔

''ٹھیک ہے، رقم کب بھیجی جائے گی؟ کیا رقم ساتھ لائے ہو؟''

''نہیں۔حاضل بعد میں لے کر آئے گا۔''

''وہ کب آئے گا؟''اس نے پرامید انداز میں پوچھا۔

''مجھے علم نہیں۔وہ کہہ رہا تھا شاید اگلے ہفتے۔ذرا ہوشیار رہنا کیونکہ این ای ایف آئی ایس (Nefis) اپنے آپریشن کا دائرہ کار وسیع کر رہی ہے اور اپنی مہارت بھی

تیز کر رہی ہے۔ رحمت نے گفتگو کو ختم کیا۔ ایک مرتبہ پھر عیسیٰ کے دل میں جذبہ خوف پوری شدت سے ابھر آیا۔ عیسیٰ کی وہ رات بے اطمینانی میں گزری۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ خوفناک شکلوں والے لوگ کالے چغے پہنے اس کے گھر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بستر سے چھلانگ لگا کر اٹھا اور گھر کی تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کی تمام چابیاں ٹوٹ گئیں اور خوف کے ٹھنڈے پسینے سے شرابور اس نے کھڑکیوں کو رسی کے ساتھ باندھنے کی کوشش کی۔ کالے لبادوں میں ملبوس لوگوں نے دروازوں اور کھڑکیوں کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ رسیاں جو اس نے ابھی ابھی باندھی تھیں ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں۔ ایک کھڑکی آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہوئی اور ایک ہاتھ کمرے کے اندر آیا۔ پریشان ہو کر عیسیٰ جاگ پڑا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ اس کا دل اتنے زور زور سے دھڑکا کہ اس کا سینہ درد کرنے لگا جب وہ اندھیرے میں انتظار کی حالت میں کھڑا تھا تو اس کے تمام اعصاب لرز رہے تھے۔ خواب کا خوف ابھی تک اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ وقت اس کے اوپر بہتا رہا حتیٰ کے اس نے محسوس کر لیا کہ وہ تو خواب دیکھ رہا ہے۔ سکون کے احساس نے اس کو اطمینان بخشا اور اس کے دل نے یہ اطمینان اس طرح پیا جیسا کہ سورج کی حرارت سے جلی ہوئی زمین تیز بارش کو پی جاتی ہے۔ بہت دیر کے بعد وہ دوبارہ سو سکا۔

فروری

صبح کے پانچ بجے سپاہی تیار تھے۔ ان کے پانچ بڑے ٹرک بٹالین ایکس کی بیرکوں سے علی الصبح اس وقت روانہ ہوئے جب ابھی ہر چیز شبنم سے بھیگی ہوئی تھی۔ ایک ٹرک سبز رنگ کی ترپال سے مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا۔ وہ کیبان سری اور پسار کے چوراہے کی طرف مڑے اور پھر تیجی دنگ کی طرف اور لی لیف کی کیننگ فیکٹری کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ سپاہی لپک کر ٹرک سے نیچے اترے اور دائروں میں حرکت کرتے ہوئے گاؤں کو گھیرے میں لے لیا۔ ڈھکا ہوا ٹرک چوراہے کے قریب فیکٹری کی عمارت کے سامنے رکا۔ سٹیشن کی طرف آتے ہوئے کچھ سبزی فروشوں کو دھر لیا گیا۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا

اور حکم دیا گیا کہ وہ چوراہے کے پاس کھڑے ٹرک کے سامنے جمع ہوں۔ ان کے تمام سامان کو کھول کر چیک کیا گیا۔ پھر ان کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ دوسرے سپاہی گاؤں کی گلیوں میں داخل ہو گئے اور دروازے کھٹکھٹانے لگے۔ تمام مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ باہر نکلیں اور ترپال سے ڈھکے ہوئے ٹرک کے سامنے جمع ہوں۔ سڑک پر ایک بہت بڑا ہجوم لگ گیا کچھ خوفزدہ عورتوں نے رونا شروع کر دیا تو ان کے بچے بھی رونے لگے۔ کتوں نے بھی بھونکنا شروع کر دیا۔ کچھ مرد جنہوں نے بھاگنے کی کوشش کی گرفتار کر لئے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ بھی ترپال سے ڈھکے ٹرک کے سامنے قطار بنائیں اگرچہ صبح سویرے کا وقت تھا۔ پھر بھی گلیاں بھری پڑی تھیں۔ مردوں کو نیند سے اچانک جگا دیا گیا تھا۔ اکثر لوگ سونے کا لباس پہنے ہوئے تھے ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور منہ ان دھلے تھے۔ سب کو گھر پلٹنے سے پہلے ٹرک کے سامنے سے گزارا گیا۔ ایک آدمی کو پکڑ لیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو جائے۔ پھر دو اور آدمیوں کو پکڑا گیا اور پہلے کے پاس کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا۔ باقی مرد ٹرک کے آگے سے گزرتے رہے۔

''تلاشی ہو رہی ہے۔'' پہلے آدمی نے باقی دو سے کہا۔ دوسرے نے پوچھا۔ ''غدار کون ہے؟'' اسکا چہرہ زرد تھا مگر اس کی آواز میں کپکپاہٹ نہیں تھی۔ ''کل انہوں نے تاناہ تنگی میں بھی ایسے ہی کیا''۔ تیسرے نے کہا۔ وہ سب سے زیادہ پریشان تھا۔ ''غدار اس ٹرک کے اندر ہے وہ گاؤں کے ان نوجوانوں کو جانتا ہے جو آزادی کی لڑائی میں شریک ہیں۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت ٹرک میں کون ہے؟'' اس نے اپنے کندھے اچکائے اور زمین پر تھوکا۔ ٹرک کے سامنے سے گزرنے والے آدمیوں میں سے مزید پانچ کو پکڑ کر ان کے ساتھ لا کھڑا کیا گیا۔ آٹھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ وہ سب ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے کون آزادی کی لڑائی میں شریک ہے اور کون نہیں۔ ''اگر تمہیں بعد میں رہا کر دیا گیا'' ایک نے کہا جو جانتا تھا کہ سپاہی اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ ''تو میری ماں کو یاد سے بتا دینا کہ وہ فکر نہ کرے۔ سب سے بدترین سزا بکیندوری کی قید ہو گی مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' یہ کہہ کر وہ کھوکھلی ہنسا۔ ایک سپاہی ان کے پاس آ کر چلایا۔ ''بکواس بند کرو'' وہ خاموش ہو گئے انہیں ایک ٹرک

MashalBooks.org

میں سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ٹرک سپاہیوں اور آٹھ قیدیوں کو لے کر سرپٹ دوڑنے لگا۔ بڑی سڑک ویران ہوگئی اور آٹھ گھروں کے اندر عورتیں خوف اور دہشت سے رونے لگیں۔اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوا۔

مارچ

گھر میں چاول نہیں ہیں۔ایڈوانس تنخواہ کے بارے میں کہنا نہ بھولنا'' فاطمہ نے عیسیٰ سے کہا جو سکول جانے کے لئے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔اس نے سر ہلایا۔ان آخری مہینوں کے دوران چاول بھی اس کے خوفناک خوابوں کا حصہ بن چکے تھے۔کئی بار اس نے خواب میں چاولوں کے پہاڑ دیکھے جو اس کے اوپر گزر رہے تھے اور اسے کچل رہے تھے۔ وہ کمزور ہو چکا تھا۔اس کی آنکھوں کے پیچھے ایک خوف دفن تھا جس کو وہ چھپانے اور اپنی ذات کی گہرائیوں میں دفن کرنے کی کوشش کرتا۔اس کے باقی خواب جن میں رات کے اندھیرے میں نہ ختم ہونے والی روشنی کی لکیر نما سڑک اور مردہ چینی لاشوں سے بھرا کنواں شامل تھے،ابھی تک اس کا تعاقب کرتے۔اکثر اوقات جب وہ کوئی پریشان کن خبر سنتا تو اس کا دل اس زور سے دھڑکتا کہ اس کے سینے میں درد ہونے لگتا۔رات کے وقت وہ بستر کی سمت جانے سے ڈرتا کیونکہ اس کے خوابوں کے پردے کے پیچھے خوف لٹک رہا ہوتا۔ وہ چاہتا کہ سب کچھ فاطمہ کو بتا دے لیکن خوف اسے روک لیتا۔ فاطمہ اس پر ہنسنے لگی گی ..... یا سننے سے انکار کرے گی اور یہ بات اور بھی بری ہوگی۔جب فاطمہ نے ایک مرتبہ پھر کہا کہ گھر میں چاول نہیں ہیں تو اس کا دل دھڑکنے لگا اس نے درد کو قابو میں کرنے کے لئے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور بغیر ارد گرد دیکھے کہا۔''ٹھیک ہے۔''

حمیدی کے گھر کے سامنے جا کر عیسیٰ رکا۔وہ ابھی سکول جانا نہیں چاہتا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکن ذرا سنبھل جائے۔اس نے بانس کی باڑھ پر لگے گیٹ کو کھولا جس نے ایسی آواز پیدا کی جیسے وہ زنگ آلود قبضے پر لٹک رہا ہو۔حمیدی نے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولا''مردیکا'' عیسیٰ نے کہا۔''مردیکا۔کیسے حالات ہیں؟'' کیا آج سہ پہر کو تمہارا ٹرک عاریتاً مل سکتا ہے؟'' عیسیٰ نے پوچھا۔حمیدی خاموش تھا اس نے عیسیٰ کے چہرے پر دیکھا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''نہیں اس سہ پہر کو نہیں۔ میں کسی اور کے ساتھ وعدہ کر چکا ہوں۔ کسی اور دن کی بات کرو'' لیکن یہ ہماری جدوجہد کے لئے بہت اہم ہے'' عیسیٰ نے کہا۔ حمیدی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا لنگا دجاتی معاہدے پر دستخط نہیں ہو چکے؟ کیا ہمیں حکم نہیں ملا کہ ہم ہتھیار ڈال دیں؟'' عیسیٰ نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ یہ اس کے اپنے احساسات تھے۔ وہ احساسات جو اس کے اندر گہرائیوں تک گردش کر رہے تھے۔ جس روز ۲۵ مارچ کو معاہدے پر دستخط ہوئے تھے عیسیٰ نے آزادی کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محسوس کیے تھے۔ ''اب ہم دوبارہ آرام کر سکتے ہیں'' جب معاہدے پر دستخط کا اعلان کیا گیا تو اس نے فاطمہ سے یہ کہا۔ وہ ہر قسم کے پروگرام بنا چکا تھا۔ جن میں فاطمہ کے لئے نیا جوڑا خریدنا۔ سلیم کے لئے جوتے اور بستر کی پرانی بوسیدہ چٹائی کے بدلے نئی چٹائی لانے کا ارادہ شامل تھا۔ معاہدے کے بعد کی باتیں خوفناک خوابوں سے آزاد تھیں لیکن اس کی آزادی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔

''اب ہمیں اپنی کوششیں دگنی کر دینی چاہئیں'' معاہدے پر دستخط ہونے کے چند روز بعد حاضل نے اس سے کہا۔ وہ معاہدے پر دستخط ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد کراوان سے جکارتا آ گیا تھا۔ ''یہ مت بھولو کہ ڈچ لوگوں نے معاہدے پر دستخط ہونے سے پہلے ہی موجود کیرٹو پر حملہ کر دیا تھا۔'' حاضل نے اس وقت کہا جب عیسیٰ کہہ رہا تھا کہ اب امن آ چکا ہے۔ اس گفتگو کے بعد ڈراؤنے خوابوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اس کے لئے سکون کا واحد ذریعہ حاضل کے ساتھ میوزک بجانا تھا۔ یہی وہ لمحے ہوتے تھے جب وہ چاول، خواب، ختم نہ ہونے والی سڑک، مردہ چینی لاشوں سے بھرے کنوئیں اور فاطمہ کو بھول جاتا تھا عیسیٰ نے حمیدی سے اجازت لی۔ جب وہ روانہ ہوا تو بانس کا دروازہ چرمرایا چینی سٹور والے نے اپنے سٹال پر کھڑے کھڑے اسے سلام کیا جس کا عیسیٰ نے جواب دیا۔ ٹرام میں بیٹھنے کے بعد ہی عیسیٰ نے دوسری چیزوں کے بارے میں سوچا۔

البتہ کوئی چیز تھی جو اس کے دماغ سے پھسل گئی تھی اور اسے یاد نہیں آ رہی تھی۔ پچھلی صبح پاک دامرہ اور چوک کے نکڑ پر کھڑا اپنا سامان نہیں بیچ رہا تھا۔ بڑی سڑک سے وہ سپاہیوں سے بھرے ٹرکوں کے پاس سے گزرے تو سپاہیوں نے انہیں مکے دکھائے اور بے عزت کرنے والے جملے کسے۔

MashalBooks.org

عیسیٰ کو دوبارہ حاضل کے الفاظ یاد آئے۔''اب تمام برطانوی سپاہی جا چکے ہیں۔ ولندیزی حکمران معاہدے کو صرف دنیا کو کھلے عام دھوکہ دینے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ہمیں بھی اپنی تیاریاں کرنے میں مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔'' حاضل نے میز پر مکہ مارتے ہوئے کہا۔''ہمارے پاس ابھی تک فنڈ نہیں ہیں۔ ارکان صرف باتیں کرتے ہیں ادھر ادھر کے منصوبے بناتے ہیں لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے فیصلے جنوری میں کیے گئے تھے اب تقریباً مارچ کا اختتام ہے اور ہمارے پاس ابھی تک ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔'' یہ سن کر عیسیٰ کو احساس مسرت ہوا وہ خوش تھا کہ ان کے پاس فنڈ نہیں تھے اور اسے انہیں سنبھالنا نہیں پڑے گا۔ جب رحمت لڑائی کے لئے فنڈ کا منصوبہ لے کر آیا تھا تو عیسیٰ کو یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ اسے اتنی خطیر رقم کو سنبھالنے کا فرض ادا کرنا پڑے گا۔لیکن اب ایک ماہ گزرنے پر بھی کوئی پیسے لے کر نہیں آیا تھا اور آج فنڈ زکی کم یابی کا سن کر اس نے سکون کا سانس لیا۔اس نے پڑھایا بھی زیادہ جوش وخروش سے۔سکول ٹائم کے بعد وہ اساتذہ کے جانے کا انتظار کرتا رہا اور جب سکول خالی ہو گیا تو اس نے الماری کھولی اور دس نئی کاپیاں اپنے بریف کیس میں چھپالیں۔

عیسی ابھی سکول سے آیا تھا اور بیڈروم میں اپنا کوٹ اتار ہی رہا تھا جب فاطمہ باورچی خانے سے آئی اور کہنے لگی۔

''عیسیٰ کیا تمہیں علم ہے کہ ہمارا ہمسایہ حمیدی جو گجا بھاگ گیا ہے اور اپنے گھر کی دیکھ بھال کے لئے اپنے چچا کو چھوڑ گیا ہے؟''

''بھاگ گیا؟'' کب؟ عیسیٰ کا دل دھڑکنے لگا وہ حیران اور خوفزدہ تھا ''کیوں؟''اس کی آواز گھٹی ہوئی تھی کیونکہ وہ اپنی قمیض کو سر کی طرف کھینچ رہا تھا۔

وہ آج صبح ٹرین کے ذریعے گیا ہے''

''کیا وہ یہاں آیا تھا؟''

''نہیں اس کے جانے کے بعد اس کے چچا نے مجھے بتایا''۔عیسیٰ خاموش تھا۔ اس نے الماری سے اپنا پاجامہ نکالا اس کے دھاگے نظر آ رہے تھے اور اس کی پٹیوں کا رنگ اڑ چکا تھا۔اس نے باہر پہننے والا پاجامہ نکالا بستر کے کنارے بیٹھ کر اپنے جوتے

MashalBooks.org

اتارے۔کافی عرصے سے وہ جرابوں کے بغیر ہی گزارا کر رہا تھا۔

''اسے کیوں فرار ہونا پڑا؟ میری تو سمجھ میں نہیں آتا'' عیسیٰ نے کہا ''شاید وہ خوفزدہ تھا''

فاطمہ نے جواب دیا۔

''وہ کس سے خوفزدہ تھا؟ کیا اب جمہوریہ اور ڈچ کے درمیان معاہدہ نہیں ہو چکا ہے؟''

''اس کے چچا کا کہنا ہے کہ وہ خوفزدہ تھا کیونکہ ڈچ اب بھی گرفتاریاں کر رہے ہیں۔اس نے بتایا کہ حمیدی کو جاپانیوں نے بہت سا سامان دیا تھا شہر میں اس کے بڑے سٹور میں سے ڈچ اس سامان کو تلاش کر رہے ہیں''

''کس قسم کا سامان''

''مجھے پتہ نہیں۔اس کے چچا کا خیال ہے کہ سٹور ایک ڈچ امپورٹر کا تھا''

''ڈچ لوگوں کو کیسے پتہ چلا''

''جاپانیوں نے حمیدی کو سامان کی فہرستیں دی تھیں، شاید جاپانیوں نے اسے ڈچ لوگوں کا پتہ بتایا تھا۔''

''ہوسکتا ہے'' پھر اسے کچھ یاد آیا اور وہ اور زیادہ خوفزدہ ہوگیا۔

''شاید دامراہ بھی بھاگ گیا ہے کیونکہ کئی دن سے میں نے سکول جاتے ہوئے اسے نہیں دیکھا''

''بہت سے لوگ بھاگ چکے ہیں'' فاطمہ نے کہا۔''گلی نمبر ۵ والا میڈیکل اسسٹنٹ بھی جا چکا ہے۔تقریباً سب جا چکے ہیں سب اپنے گھر خالی کر گئے ہیں اور ہمسایوں سے دیکھ بھال کا کہہ گئے ہیں'' عیسیٰ خاموش تھا۔اس نے اپنا پاجامہ پہنا۔پھر ایک دم جیسے خواب میں بولا۔''اگر ہم بھی بھاگ جائیں تو کیسا رہے گا؟'' اس نے یہ سب ارادے کے بغیر ہی کہا تھا کیونکہ وہ اندرونی علاقوں میں جا کر رہنے سے بھی اتنا ہی خائف تھا جتنا کہ جکارتا میں رہنے سے۔اگر اسے انتخاب کرنے کا موقع مل بھی جاتا تو اسی شناسا خوف میں مبتلا رہنا ہی بہتر تھا۔وہ خوف جس سے وہ ناواقف تھا کہیں زیادہ خطرناک تھا۔باغیوں کے ظلم کی کہانیاں اس کے فرار ہونے کی نیت کو منجمد کر دیتی تھیں اسے خود بھی علم نہ تھا

کہ اس نے کیوں کہا کہ وہ اور فاطمہ بھی بھاگ جائیں۔ اس کے اندر تو ایسا کرنے کی کوئی ہمت نہ تھی اندرونی علاقے شہر کی نسبت زیادہ خطروں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک جانے بوجھے خوف سے بھاگ کر ایک انجان خوف کی طرف جانے سے کیا فائدہ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بہتر محسوس کیا جب فاطمہ نے کہا۔ ''فرار ہونے والوں میں شامل ہونے سے کیا فائدہ؟ اگر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ یہیں مریں'' موت کا لفظ سن کر عیسیٰ پھر ڈر گیا۔ اپنے تخیل کی آنکھ سے اس نے دیکھا کہ وہ خشک مٹی میں چاروں شانے چپ پڑا ہے اور اس کی چھاتی کے ایک زخم سے خون بہہ رہا ہے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ ہاں ہم ان کی پیروی کیوں کریں'' اس نے کہا اگرچہ اس کا دل بھاگ جانے کے لئے چلا رہا تھا۔

عیسیٰ کو بھوک ہمیشہ ہی کم لگتی تھی اس روز اس نے اتنا کم کھایا کہ فاطمہ نے اس سے پوچھا ''کیا بات ہے؟ کیا تم بیمار ہو؟

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کل سے ہی میرا جسم گرم ہے''

''شاید پھر ملیریا ہو گیا ہے'' فاطمہ نے کہا۔ ''کونین کی گولی کھا لو ابھی تک الماری میں چند گولیاں پڑی ہیں''۔

عیسیٰ نے اپنی پلیٹ میز کے درمیان سرکا دی اور چائے کا گلاس اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا۔ ''میرا خیال ہے مجھے آرام کرنا چاہیے'' اس نے کہا۔ اگر حاضل آئے تو اسے بتا دینا کہ میں بیمار ہوں۔

لیکن حاضل نہ آیا۔ شام کو عیسیٰ کا بخار شدید ہو گیا وہ کبھی گرم اور کبھی ٹھنڈا ہو جاتا۔ یہ ملیریا ہے اس نے بخار کی حالت میں اپنے آپ سے کہا۔ دو دن گزر گئے وہ بستر پر پڑا رہا اور حاضل ابھی تک نہ آیا۔ وہ پانچ دن اور پانچ راتیں بیمار رہا جب اس کا بخار بڑھتا تو ہر طرح کے خیالات اور وسوسے اسے تنگ کرتے خوف اور دہشت کے خواب اسے ڈراتے۔ بخار اترنے پر اگرچہ اس نے اپنے آپ کو نچڑا ہوا پایا مگر اس کا دماغ قدرے سکون میں تھا۔ اسے پتہ تھا کہ جب تک وہ بیمار ہے فاطمہ روپے پیسے کے حوالے سے اسے تنگ نہیں کرے گی اور نہ ہی چاول لانے کی بات ہو گی۔ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ اس حالت میں حاضل اسے کوئی خطرناک کام کرنے کو بھی نہیں کہے گا۔

پانچویں روز جب اس کا بخار ٹوٹ گیا تو حاضل اسے ملنے کے لئے آ گیا۔ بخار

اتر چکا تھا اور وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا اور کمزور محسوس کر رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے طاقت اس کے اعصاب سے نچوڑ لی گئی ہو لیکن اس لاچارگی میں اسے خاص قسم کا اطمینان مل رہا تھا کونین کی گولیوں کی وجہ سے اس کے کانوں میں زوں زوں کی آوازیں آ رہی تھیں اس کا سر ہلکا تھا اور چکرا رہا تھا پھر بھی وہ بیماری کی حالت میں خوش تھا۔ لیکن اب جبکہ بخار اپنا وقت پورا کر چکا تھا وہ بستر میں اطمینان کے ساتھ نہ لیٹ سکا۔ اسے پھٹی پرانی گندی مچھر دانی اور بستر کی گندی چادر سے نفرت ہونے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو مجبور کر کے گھڑا کیا اور ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ فاطمہ نے اس کا بستر صحیح کر دیا۔ اسی لمحے حاضل آ گیا۔ ''مردیکا'' اس نے دروازہ کھولتے ہوئے اسے آواز دی۔ جب اس نے عیسیٰ کو زرد اور کمزور پایا تو بھاگ کر آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کیا تم بیمار رہو؟'' مجھے تو خبر تک نہ ہوئی''

ملیریا ہو گیا تھا'' عیسیٰ نے نقاہت سے مسکراتے ہوئے کہا''۔ ''لیکن اب میں تقریباً ٹھیک ہوں بس کمزوری ہے اور سر بھی درد کر رہا ہے'' اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا ماتھا رگڑا۔ ''بیٹھ جاؤ'' اس نے حاضل سے کہا۔ فاطمہ بیڈ روم کے دروازے میں کھڑے کھڑے بولی ''اچھا تو آپ تشریف لے آئے سارا عرصے کہاں رہے؟'' اور جواب کا انتظار کیے بغیر اپنا کام نمٹانے دوبارہ کمرے میں چلی گئی۔

عیسیٰ نے حاضل کی طرف دیکھ کر سوچا'' اب وہ میرے لئے کوئی نیا کام لے کر آیا ہوگا'' اسی لمحے حاضل نے اپنی ڈوبی ہوئی آنکھوں کے ساتھ عیسیٰ کی طرف دیکھا جس کا پورا جسم کمزوری اور تفکرات کی تصویر تھا'' یہ بہت بیمار آدمی ہے اس سے کہیں زیادہ بیمار جتنا کہ وہ خود کو سمجھتا ہے'' یہ سب دماغ میں آتے ہی اس کے خیالات کا رخ فاطمہ کی طرف مڑ گیا۔ جس کا جسم تازہ اور جوان تھا اور زندگی کی آگ سے پر۔ جبکہ عیسیٰ بیمار تھا بلکہ بہت ہی زیادہ بیمار تھا۔ حاضل نے ان خیالات کو دبا دیا اور دوسری بات شروع کی'' ابھی تک ہمارے فنڈز کی کوئی خبر نہیں ہے۔ عیسیٰ نے دوبارہ اطمینان کا سانس لیا۔

''پھر کیا ہوگا'' اس نے پوچھا

''معاملات بگڑتے چلے جا رہے ہیں'' حاضل نے کہا۔ ''رحمت تقریباً گرفتار ہونے ہی والا تھا این آئی سی اے کے سپاہی سینٹسی اونگ کے گینگ کو گرفتاری کیلئے تلاشی کر

رہے تھے۔صرف پانچ منٹ کا فرق پڑا۔ وہ ابھی نکلا ہی تھا کہ سپاہیوں سے بھرا ہوا ٹرک اس کے گھر کے باہر آ کر رکا۔ یہ پہلا گھر تھا جس کی تلاشی ہونی تھی۔''

''گھر میں موجود ایک بوڑھے کو بہت سے نوجوانوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اب گھر واپس آ چکا ہے مگر اس نے رحمت کی سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں رہائی کے بعد اس سے ملا تو وہ رو رو کر التجا کر رہا تھا کہ اسے معاف کر دیا جائے کہ اس نے تشدد کی وجہ سے سب کچھ بتا دیا۔خوش قسمتی سے وہ صرف رحمت کے بارے میں ہی جانتا تھا۔''

''تشدد کیا گیا؟'' عیسیٰ نے پوچھا اس لمحے اس کے سارے خوف سیلاب کی شکل میں اس کی طرف امڈ آئے اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔

''ہاں۔اسے ٹھوکریں ماری گئیں۔ مارا گیا۔ ہونٹ کاٹ دیئے گئے۔ جب اس نے رحمت کی سرگرمیوں اور بکاسی اسلحہ سمگل کرنے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تو اسے اور مارا گیا تا کہ وہ باقی لوگوں کے نام بھی بتائے وہ کئی مرتبہ بیہوش ہوا کیونکہ اسے اور کسی چیز کا علم ہی نہ تھا تب انہوں نے تشدد کرنا بند کر دیا''۔

''اب رحمت کہاں ہے؟''

وہ اب میرے گھر میں ہے اور موقع کی تلاش میں ہے کہ شہر چھوڑ کر چلا جائے۔''

''اور تمہارے والد؟''

''اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ جب میں کاراوانگ سے لوٹا میرے خیال میں جب میں دور تھا تو انہوں نے سوچا اور نوجوان نسل کو راستہ دینے کا فیصلہ کر لیا بقول ان کے''ہم جو بوڑھے ہیں ہمیں چاہیے کہ نوجوانوں کو راستہ دیں'' حاضل ہنسا۔

سنیتی اونگ کے بوڑھے آدمی کے پکڑے جانے اور ڈچ لوگوں کے تشدد کی کہانی نے عیسیٰ کے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ اپنے تخیل میں اس نے سوچا کہ سپاہی کسی بھی لمحے کیبان سری آ کر اسے پکڑ کر لے جا سکتے ہیں شاید اسی لمحے وہ آئیں گے اس نے خوف کے باعث اپنا پیٹ کھوکھلا محسوس کیا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ تو بیمار ہے اور بیمار کو کیسے گرفتار کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اس خیال نے اسے صرف ایک لمحے کے لئے سکون دیا۔اس کا خوف بڑھتا گیا۔اس کا جسم اتنا مضبوط نہیں تھا کہ خوف کی سردی برداشت کر سکتا سو وہ بری طرح کانپنے

لگا۔ حاضل نے اس کی طرف دیکھا۔

''تم ابھی تک بیمار ہو۔'' اس نے کہا ''میں نے تو تمہیں اور بھی تھکا دیا ہے۔ لیٹ جاؤ''۔

''میرا سر درد کر رہا ہے'' عیسیٰ نے اپنی آواز سے خوف کو دور رکھتے ہوئے کہا۔ حاضل کھڑا ہو گیا اور عیسیٰ کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دیتے ہوئے بیڈ روم کی طرف لے گیا۔ جونہی وہ بیڈ روم میں داخل ہوا تو عیسیٰ کے ساتھ کھڑے اس نے آئینے میں فاطمہ کی ایک جھلک دیکھی۔

اس کی چھاتی آدھی ننگی تھی اس نے جلدی سے اپنی چھاتی کیبا جا سے ڈھانپ لی، تیزی سے مڑی اور ان کی طرف لپکی۔ مگر اس دوران ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں یا معنی انداز میں حاضل کی آنکھوں سے آئینے میں چار ہوئیں۔

''عیسیٰ کیا بات ہے؟'' فاطمہ نے عیسیٰ کے سر کے نیچے تکیہ رکھتے ہوئے پوچھا۔

حاضل پہلی دفعہ ان کے بیڈ روم میں آیا تھا۔ اچانک اس نے اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کی جیسے اس کے اور فاطمہ کے درمیان کوئی گہرا رشتہ قائم ہو گیا ہو۔ جو صرف ان دونوں کے درمیان ہو۔ تب تک عیسیٰ شوہر کی حیثیت سے ان کے درمیان ہمیشہ موجود رہا تھا لیکن اس لمحے عیسیٰ کے لئے حاضل کے خیالات میں کوئی جگہ نہ تھی۔ وہاں صرف وہ تھا یا صرف فاطمہ تھی۔ اس نے فاطمہ کے کپڑوں کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی عاشق یا خاوند دیکھتا ہے۔ ایک بریزیئر جو تولیے کی کھونٹی سے لٹک رہی تھی، کمر بند جو ادھ کھلا سنگار میز پر پڑا تھا، پاؤڈر کا ڈبہ اور ایک کنگھی جس کے کئی دندانے ٹوٹ چکے تھے۔

عیسیٰ بستر پر لیٹ گیا ''آرام کرو'' حاضل نے کہا ''میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا، تم کچھ بہتر تو ہو مگر ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے'' حاضل کمرے سے باہر نکلا فاطمہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی اور باورچی خانے کی طرف مڑ گئی۔ حاضل بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔ فاطمہ سٹوو کے نیچے آگ جلانے کی کوشش کر رہی تھی ''اینا نے اس مرتبہ پھر گیلی لکڑیاں خرید لیں'' خود کلامی کرتے ہوئے اس نے آہ بھری، اوپر دیکھا اور حاضل کی موجودگی کو برآمدے میں محسوس کرتے ہوئے دھوئیں سے بھرے چولہے میں پھونکیں مارنی شروع کر دیں۔ اس کی آنکھیں درد کر رہی تھیں اور دھوئیں سے بھری تھیں اس نے حاضل سے نظریں

چرائیں تا کہ آئینے میں ملنے والے حادثے کو دہرائے جانے سے روک سکے'' میں تمہاری مدد کرتا ہوں'' حاضل نے جھکتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ فاطمہ نے اپنی پوزیشن بدلی اور سرک کر تھوڑا پرے ہوگئی۔ حاضل نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے دیکھا ہی نہ ہو۔ حاضل آگ میں زور سے پھونکیں مارنے لگا۔ کچھ پھونکوں کے بعد آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے راکھ کو ہاتھوں سے جھاڑتے ہوئے فاطمہ کی طرف مڑ کر کہا'' دیکھو اب آگ جل رہی ہے'' فاطمہ مسکرائی'' شکریہ تم بہت سمجھدار ہو۔'' اس نے پانی سے بھرا برتن چولہے پر رکھا اور کہنے لگی'' اینا کو لکڑیوں کے سٹال پر گئے کافی دیر ہوگئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پھر وہاں گپیں ہانک رہی ہوگی۔ ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہے۔ حاضل نے کوئی جواب نہ دیا۔

ایک لمحے کے لئے باورچی خانے میں خاموشی چھا گئی صرف لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز آ رہی تھی۔ اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ چھوٹے سے گرم باورچی خانے میں تنہا ہیں مکمل تنہا۔ حاضل نے فاطمہ کی طرف اور فاطمہ نے حاضل کی طرف دیکھا۔ دونوں نے اچانک محسوس کیا کہ فضا بہت بامعنی ہوگئی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ فضا کچھ ہلکی ہوگئی ایک عجیب سا تناؤ ان کے جسموں میں رچ چکا تھا اور انہیں سرشار کر رہا تھا۔ ان کے دل ہلکے پھلکے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

'' مجھے مدد کرنے دو'' حاضل نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی گرفت سے لکڑی لیتے ہوئے کہا۔ لکڑی پر ابھی تک چھال لگی تھی۔'' اگر لکڑی گیلی ہو تو اس کی چھال اتار دیا کرو کیونکہ چھال ہی نمی کو جذب کرتی ہے۔ یہ بات مجھے اس وقت پتہ چلی جب میں سکاؤٹ تھا۔ ارے تمہاری انگلیوں پر کالک لگ گئی'' اس نے لکڑی کو چولہے میں رکھ کر فاطمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا'' جب اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اسے دوسری جانب سے مزاحمت محسوس ہوئی لیکن وہ اس کے ہاتھ کو کھینچتا رہا اس نے محسوس کیا کہ مزاحمت آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے چند لمحے بعد فاطمہ کی ابھرتی ہوئی چھاتی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی حاضل کے ہونٹ فاطمہ کا منہ تلاش کر رہے تھے فاطمہ نے اپنا منہ پرے پھیر لیا مگر حاضل اس کا گال اپنے ہونٹوں سے چھونے میں کامیاب ہوگیا۔

MashalBooks.org

اچانک فاطمہ نے جھٹک کر اپنے آپ کو اس کی بانہوں سے چھڑایا، کھڑی ہوئی ایک قدم پیچھے ہٹی اور کانپتے ہوئے آہستہ سے کہا ''یہ نہ کرو'' اس کی چھاتیاں اوپر نیچے اٹھ رہی تھیں اس کے گال سرخ تھے اور آنکھوں میں نمی تھی مگر حاضل یوں پرسکون تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس نے لکڑی کا ایک اور ٹکڑا لیا اس کی چھال اتاری اور بڑی احتیاط کے ساتھ اسے چولہے میں رکھ دیا۔ پھر اس نے آگ میں پھونکیں مارنا شروع کیں حتیٰ کہ آگ اور زیادہ تیزی سے جلنا شروع ہوگئی وہ اپنی پتلون جھاڑتے ہوئے اٹھا ''لو اب تمہاری آگ دوبارہ نہیں بجھے گی! اب مجھے جانا چاہیے'' اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں کی آنکھیں ملیں۔ حاضل مسکرایا۔ آہستہ آہستہ فاطمہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ دونوں اس مسکراہٹ کا مطلب سمجھتے تھے۔

مئی کے وہ دن جب نوکرانی اینا باہر ہوتی فاطمہ اور حاضل کے لئے خوشی کے دن ہوتے۔ چونکہ عیسیٰ بیمار تھا اس لئے حاضل اکثر پھل وغیرہ لے آتا۔ عیسیٰ ابھی تک کمزور تھا لیکن سکول جا کر پڑھانے پر اصرار کرتا تھا شاید یہ اس کی عادت بن چکی تھی۔ حاضل عموماً اس کے سکول کے اوقات میں ہی اسکے گھر آتا۔

پہلی مرتبہ حاضل اور فاطمہ دونوں کو بہت عجیب لگا۔ اس روز حاضل آیا تھا اور وائلن بجانے باورچی خانے میں چلا گیا تھا۔ اس نے کہا مجھے پہلے باورچی خانے میں جانا چاہیے ''میں کچھ میوزک بجانا چاہتا ہوں'' مگر پھر عیسیٰ کے دارالمطالعہ کی طرف مڑ گیا۔ ابھی اس نے وائلن بجانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ اسے بیڈروم سے فاطمہ کے بلانے کی آواز آئی۔ ''حاضل میری مدد کرو آگ نہیں جل رہی اور اینا بھی باہر گئی ہوئی ہے۔'' حاضل نے بیڈروم کے اندر قدم رکھا'' ''کیا میں یہاں سے گزر سکتا ہو؟'' اس نے پوچھا۔ ''کیوں نہیں'' فاطمہ نے کہا۔'' اس نے وائلن عیسیٰ کے ڈیسک پر رکھا اور بیڈروم میں چلا گیا۔ فاطمہ بستر کے پاس کھڑی تھی۔ ان کی آنکھیں ملیں۔ حاضل آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہو گیا اور دیر تک اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا فاطمہ نے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔ حاضل نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے آہستگی سے کہا ''فاطمہ'' شروع میں اس نے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا لیکن بغیر ارادے اور زیادہ کوشش کے وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی ''ہم گناہ کر رہے ہیں، پھر اس کے الفاظ غائب ہو گئے،

حاضل کے بوسے انہیں نگل گئے تھوڑی ہی دیر کے بعد فاطمہ نے خود کو اس کے حوالے کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ باورچی خانے میں آگ جلا رہے تھے۔ فاطمہ سرشار بیٹھی تھی اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا بلکہ وہ حیرت زدہ تھی کہ کسی تشویش، پچھتاوے یا خوف نے اسے تنگ کیوں نہیں کیا۔ ''اپنا پائپ بھول نہ جانا'' اس نے کہا اور بستر سے پائپ اٹھا کر لے آئی۔ حاضل نے اپنی جیب سے پائپ نکال کر اس میں آگ سلگاتے ہوئے سوچا کہ میں نے سب کچھ فطری طور پر کیا ہے اور اس چیز نے فاطمہ کی مدد کی ہے۔ جب عیسیٰ سکول سے گھر آیا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ حسب معمول بات چیت کرتے رہے عیسیٰ نے بھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ کی۔ بس صرف یہ پوچھا ''کیا تم کافی دیر سے یہاں ہو؟''

''آج صبح سے۔ میں وائلن بجا رہا ہوں۔''

''کیا ہم کھانے کے بعد وائلن بجائیں؟'' عیسیٰ نے پوچھا حاضل نے مثبت انداز سے سر ہلا دیا۔ یوں یہ سارا معاملہ شروع ہوا اور چلتا رہا ایک روز حاضل نے عیسیٰ کے بستر پر لیٹے سوچا ''ایسا کب تک چلے گا؟'' فاطمہ اس کے پاس کھڑی اپنے کپڑے ٹھیک کر رہی تھی۔

''ست الوجود جلدی اٹھو'' فاطمہ نے کہا ''سلیم گھر آنے ہی والا ہے'' اس نے سوچا کہ ان کا تعلق بھی عجیب ہے۔ دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی ''پیار'' کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا اور وہ عیسیٰ کے بارے میں غیر جذباتی ہو کر گفتگو کر لیتے تھے جیسے وہ فاطمہ کا شوہر نہ ہو بلکہ کوئی تیسرا شخص ہو، ایک مشترکہ دوست جس پر ترس کھایا جا سکتا ہو اور جسے پیار اور پناہ کی ضرورت ہو۔ ایک مرتبہ فاطمہ نے اس سے کہا ''حاضل عیسیٰ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے۔ اسے علم نہیں میں بارہا اسے نیند میں خوف سے چلاتے ہوئے سن چکی ہوں''

''کون ہے جو خوفزدہ نہیں ہے'' حاضل نے جواب دیا ''میں خود بھی خوفزدہ رہتا ہوں آج کل کون خوفزدہ نہیں ہے؟ لیکن یہ انقلاب جاری رہنا چاہیے۔ انفرادی طور پر ہمیں شکست دی جا سکتی ہے، ہمارے دشمن ہمیں کچل سکتے ہیں لیکن اکٹھے، تم اور میں، عیسیٰ اور رحمت اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہم بہت مضبوط ہیں۔ خوف کا یہ عظیم بوجھ ہم

آپس میں بانٹ سکتے ہیں۔اس طرح کہ ہم میں سے ہر کوئی اسے برداشت کر سکے اور اس کے ہاتھوں میں ہمارے دماغ اور دل ماؤف ہونے سے روک سکے۔ ہمارا خوف ہم پر بھاری اس لئے ہو رہا ہے کہ ہمارے بہت سے ساتھی ہمارے ساتھ ملنے سے ہچکچا رہے ہیں اور کچھ تو دشمن کی مدد کر رہے ہیں لیکن پھر بھی تنہا ہمیں ہی چلتے رہنا چاہیے۔ہم مر سکتے ہیں۔ ہمارے کامریڈ مر سکتے ہیں لیکن ہمیں چلتے رہنا چاہیے۔اگر ہم رک گئے تو شکست کھا جائیں گے۔موت تو ایک انداز کی فتح ہے۔دشمن ہمارے ذہنوں پر مستقل حکمرانی نہیں کر سکتا''۔

''لیکن اگر کوئی ہر وقت خوفزدہ رہے، عیسیٰ کی طرح؟'' فاطمہ نے دوبارہ پوچھا۔

''انسان کو اپنے خوف پر فتح پانے کی مشق کرنا چاہیے خوف ایک طرح سے تو ایک صحت مند جذبہ ہے اگر ہم اس پر غالب آ سکیں۔عیسیٰ کو بھی ایسا کرنا ہوگا اگر ہم نے اب اسے تحریک سے الگ کر دیا تو پھر اس کے لئے اپنے خوف پر قابو پانا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔عمر بھر وہ بزدل ہی بنا رہے گا۔کیا ہمیں یہ اچھا لگے گا؟''

اس فقرے پر عیسیٰ کے بارے میں بات ختم ہوگئی۔وہ بستر پر لیٹا فاطمہ کو کپڑے بدلتے دیکھتا رہا پہلے اس نے کین بدلا۔پھر اپنی سفید مدور اور سخت چھاتیوں پر انگیا پہنی۔ حاضل سوچتا رہا کہ اب یہ دن دوبارہ نہیں آئیں گے۔ولندیزی حملے کی افواہ بہت زور پکڑ گئی تھی۔صرف تاریخ معلوم نہیں تھی کچھ کے خیال میں پندرہ تھی اور کچھ کے خیال میں پچیس۔

پندرہ تاریخ آئی اور چلی گئی اب ہر شخص پچیس تاریخ کا انتظار کر رہا تھا۔آج انیس تھی۔حاضل نے فیصلہ کیا کہ اس موضوع پر فاطمہ سے کوئی بات نہ کرے۔اچانک باہر سے سلیم کی آواز سنائی دی تو وہ چھلانگ مار کر بستر سے اٹھا اور سونے کے کمرے سے نکل کر عیسیٰ کے ڈیسک پر جا بیٹھا، فاطمہ ہلکے سے ہنسی اور تکیے کے نیچے سے اس کا پائپ نکال کر اسے تھمایا اور بولی'' پکڑو! تم ہمیشہ یہیں بھول جاتے ہو''

(7)

حاضل نے بستر پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اسے آخری ملاقات سمجھ لو فاطمہ۔ میں نے تمہیں پہلے اس لئے نہیں بتایا کہ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر جب ولندیزیوں نے ۲۱ تاریخ کو حملہ شروع کیا تو ہمیں شہر کے اندر اپنی کارروائی شروع کرنا پڑی۔ اب میں یہاں زیادہ نہیں آسکوں گا۔''

وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں گیا۔ فاطمہ اس کے پیچھے تھی۔ دروازے پر حاضل رکا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''عیسیٰ سے کہنا وہ تیار رہے۔''

فاطمہ نے اسے تشویش سے دیکھا اور بولی۔ ''محتاط رہنا''۔

حاضل ہنسا۔ ''جیسے میں انڈوں پر چل رہا ہوں!'' اس نے کہا۔

''میں دوبارہ تمہارا بوسہ لینا چاہتا ہوں۔ تمہارے ہونٹوں کو، تمہارے سارے وجود کو چومنا چاہتا ہوں۔''

وہ نیچے اترا گلی میں لپکا اور فاطمہ کی نظروں سے غائب ہو گیا فاطمہ دیر تک کھڑی خالی گلی کو دیکھتی رہی۔

جب عیسیٰ سکول سے واپس آیا تو فاطمہ گھر میں نہیں تھی۔ اس نے اسے بار بار پکارا مگر صرف ملازمہ اینا آئی۔ ''مادام تو لان ہالے میں حکیم کے ہاں گئی ہیں۔ کیا آپ کھانا کھائیں گے؟''

عیسیٰ اثبات میں سر کو جنبش دے کر بولا۔ ''میز پر لگا دو''۔

MashalBooks.org

وہ اپنے سونے کے کمرے میں گیا۔ بریف کیس ڈیسک پر رکھ دیا اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی قمیص اتار دی۔ اس کی بنیان پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ پھر وہ پلنگ پر بیٹھ گیا، جھکا اور اپنے جوتے اتارے۔ وہ ننگے پاؤں باتھ روم میں ہاتھ منہ دھونے چلا گیا۔ واپس آیا اور تولیہ سٹینڈ پر سے ایک سا رنگ اٹھالی۔

عیسیٰ نے کھانا جلدی سے ختم کر لیا۔ بیماری کے بعد اس کو بھوک کم لگتی تھی اور جب چند دن پہلے ولندیزی، انڈونیشی جمہوریہ پر حملہ آور ہوئے تو اس کے اعصاب اور خراب ہو گئے۔ وہ بہت جلد سراسیمہ ہو جاتا اور پھر اسے دل کی گہرائی میں درد کی ٹیس محسوس ہوتی تھی جس کی وجہ سے اس کے جسم سے زندگی نچڑ جاتی تھی۔ وہ خود کو کمزور اور خوفزدہ محسوس کرتا تھا۔

وہ بستر پر لیٹ گیا۔ کمرے میں گھٹن تھی۔ وہ پھر اٹھا اور مطالعے کے کمرے میں جا کر بک کیس سے ایک کتاب اٹھا لایا۔ ملبوسات کی الماری میں سے ایک رومال نکالا۔ وہ پھر لیٹ گیا۔ اس میں دیر تک پڑھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کے سر میں درد تھا۔ اس نے رومال سے اپنا ماتھا پونچھا اور پھر رومال کو تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ وہ رومال رکھ رہا تھا تو اس کے ہاتھ نے کسی سخت چیز کو چھوا۔ عیسیٰ نے اس سخت چیز کو وہاں سے نکالا تو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں پائپ تھا۔

وہ چکرا گیا۔ تکیے کے نیچے پائپ کا کیا کام؟ کچھ دیر کے بعد ہی اس پر کھلا کہ وہ جس پائپ کو دیکھ رہا تھا وہ حاضل کا تھا۔ مگر پائپ کا تکیہ کے نیچے جانے کا مطلب فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ پھر جب حقیقت اس پر اجاگر ہوئی تو اس کا پہلا ردعمل غیظ وغضب کا اور دونوں کو تباہ کر دینے کا تھا۔ وہ کود کر بستر میں سے نکلا اور فاطمہ کو بلانے کمرے سے باہر چلا گیا مگر وہ گھر میں نہیں تھی۔ وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں اور واپس پہلے کمرے میں آتا جاتا رہا۔ اس کے دل میں آگ جل رہی تھی جو اس کے سارے جسم میں پھیلتی جا رہی تھی۔ اس کا سر چیخ رہا تھا اس کے دل میں دکھ کی دھمک پیدا ہوئی اور ہاتھ میں پائپ لئے وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔

اس نے کہا ''اچھا تو ان کا عشق چل رہا ہے!''

''مگر نہیں.....شاید حاضل آرام کر رہا ہو گا اور پائپ لے جانا بھول

گیا ہوگا''۔

''مگر وہ یہاں سویا تو کبھی نہیں'' اس نے کہا

پھر اس نے کہا۔''اچھا تو وہ دونوں ہم بستر رہے!''

رہے..... نہیں رہے..... ہاں.....

نہیں..... ہاں.....نہیں.....نہیں''

آخر کار عیسیٰ کو احساس ہوا کہ اسے تکیے کے نیچے پائپ کا مفہوم نہیں مل سکے گا۔ صرف یہ ہوا کہ اس کی زندگی میں ایک اور چیز کا اضافہ ہو گیا جو اسکے خیالوں میں رچ بس گئی اور جب وہ اکیلا ہوتا تھا تو اس کے خوابوں اور خیالوں کا آسیب بن جاتی تھی۔ اس کا جسم ٹھنڈے پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ اب عیسیٰ کو محسوس ہوا کہ وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ اس نے کانپتے دل کے ساتھ پائپ کو ڈیسک کے ایک دراز میں رکھا، اسے مقفل کر دیا اور چابی اپنے پرس میں رکھ لی۔ اس نے سوچا وہ اس کے بارے میں کچھ پوچھے گا بھی نہیں۔ وہ پوچھنے سے ڈرتا تھا.....وہ ڈرتا تھا کہ اگر اس نے پوچھا اور جو کچھ اس کا اندازہ تھا وہ سچ نکلا تو! اس کی گومگو کی موجودہ حالت کے مقابلے میں اس ممکنہ صورت حال سے پیدا ہونے والے حالات زیادہ خوفناک ہوں گے۔ سو اس نے پائپ رکھ دیا اور زبان بند رکھی۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اپنے ذہن کو مقفل نہیں کر سکتا اور تب وہ اس پائپ کے خوف سے لرز اٹھا جو اس شاہراہ پر اس کے ہمراہ رہے گا جس کا کوئی آخری سرا نہیں تھا۔

عیسیٰ پھر بستر پر لیٹ گیا۔

شام کو جب فاطمہ واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ عیسیٰ بیمار کی سی نیند سو رہا ہے۔

فاطمہ نے اس سے پوچھا۔''عیسیٰ..... کیا ملیریا کا پھر حملہ ہو گیا؟'' اور جب اس نے کونین کی دو گولیاں زبردستی اس کے منہ میں ڈال دیں تو عیسیٰ خاموش رہا۔

اس رات جب وہ اس کے پہلو میں سو رہی تھی تو عیسیٰ کو وہ اجنبی محسوس ہوئی.....وہ خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا جو بتا بھی نہ سکتا ہو کہ وہ اکیلا ہے۔

تین دن بعد صبح کے وقت حاضل واپس آیا۔ اسے فاطمہ سے یہ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیل ہے تو وہ تیزی سے اس کے کمرے میں آیا۔

''پھر وہی ملیریا۔'' عیسیٰ نے اس سے کہا۔

MashalBooks.org

جلدی ٹھیک ہو جاؤ'' حاضل بولا۔''اس وقت ہمیں ایک ایک فرد کی ضرورت ہے۔

عیسیٰ نے دل میں یہ سوچ کر سکون محسوس کیا کہ وہ علیل ہے۔اس نے اطمینان کے ساتھ سوچا کہ تم مجھے استعمال نہیں کر سکتے۔ پھر اس نے حاضل سے کہا۔''میں خاصا ٹھیک ہوں بس کمزوری محسوس کر رہا ہوں بخار مجھے بار بار ہو رہا ہے۔''

حاضل بولا۔''جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ہم لوگ تمہی پر انحصار کیے بیٹھے ہیں۔''

عیسیٰ یہ سن کر اور بھی مسرور ہوا۔

پھر حاضل بولا۔''اگر تم ٹھیک نہ ہو سکے تو مجھے کسی اور کو ساتھ لینا ہوگا۔'' اس نے عیسیٰ کے ہاتھ کو تھپکا اور کمرے سے نکل گیا۔ وہاں مدھم آواز میں اس نے فاطمہ سے پوچھا۔''تم نے تکیے کے نیچے میرا پائپ تو نہیں دیکھا؟''

فاطمہ زرد پڑ گئی۔''تم پھر بھول گئے؟''

''مجھے معلوم نہیں، میں پائپ یہاں بھول گیا یا کسی دوست کے ہاں یا سڑک پر کھو بیٹھا ہوں۔''

فاطمہ کے دل سے بوجھ اتر گیا۔''تم نے شاید سڑک پر کھو دیا یا کہیں اور چھوڑ آئے۔میں نے نہیں دیکھا پائپ''

اور حاضل بولا۔''دراصل مجھے ڈر تھا کہ کہیں پائپ اس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔''

''پائپ یہاں نہیں ہے'' فاطمہ بولی۔

''تو چلو ٹھیک ہے۔اب میں چلتا ہوں''۔حاضل نے کہا

خواب گاہ میں عیسیٰ ان کی گفتگو سن رہا تھا۔حالانکہ ان کی آواز مدھم تھی اور ان کی باتوں کا مفہوم سمجھنے کے لئے اسے خاصی محنت کرنا پڑی۔لمحے بھر کے لئے اس کے دل میں آگ پھر بھڑک اٹھی ..... وہ آگ جو اس وقت بھڑکی تھی جب اسے تکیے کے نیچے پائپ پڑا ملا تھا.....مگر یہ آگ جلد ہی بجھ گئی۔اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں اور اپنے سر پر وحشیوں کی طرح ضربیں لگانے لگا۔

MashalBooks.org

(8)

یہ پیارسینن میں ہفتے کی رات تھی۔ کرامت سکوائر انسانوں سے بھرا تھا۔ کرفیو کی وجہ سے سیمنا کا صرف ایک شو ہوا تھا۔

''بس پندرہ منٹ اور'' بیئر پیتے ہوئے حاضل نے کہا۔ رحمت اور عیسیٰ بھی اس کے ساتھ میز پر بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

عیسیٰ کے معدے میں برف کی ٹھنڈی لہر دوڑ رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ وہاں سے، ریکس سینما سے اور ریسٹورنٹ سے ہزاروں میل دور بھاگ گئے۔ اس کا معدہ ہوا سے بھرا تھا اور دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ کان اس آواز سے زخمی ہوئے جاتے تھے۔ اسے لگتا تھا کہ رحمت کی پتلون کی جیب میں چھپا دستی بم ہی ریسٹورنٹ میں سب کی توجہ کا مرکز ہے۔ رحمت کا چہرہ کھنچا ہوا تھا، حتیٰ کہ حاضل بھی بدلا بدلا سا تھا۔ وہ معمول سے زیادہ تیز بول رہا تھا۔ اس کی بظاہر پرسکون حرکات میں کچھ تصنع لگتا تھا اور اس کی گفتگو کوشش کے باوجود اس کی بے چینی نہیں چھپا پائی تھی۔ عیسیٰ کا سینہ، معدہ اور ساری ریڑھ کی ہڈی ٹھنڈے پسینے میں بھیگے ہوئے تھے۔ وہ چیخنا، چلانا اور رونا چاہتا تھا۔ اپنے ماحول سے بھاگنا چاہتا تھا، لیکن وہ نہ چیخا چلایا، نہ بھاگا۔ بس وہیں بیٹھا پھل کا رس پیتا رہا۔ اسے رس کے کسیلے ذائقے کا بھی احساس نہیں تھا۔ وہ تو بس مسلسل خود سے یہی سوال پوچھے جا رہا تھا کہ وہ یہاں تک کیسے آیا؟ ان لوگوں کے ساتھ کیوں بیٹھا ہے؟ ان دو نوجوانوں کی پتلونوں کی جیبوں میں دستی بم ہیں اور عیسیٰ جانتا تھا کہ ابھی کیا ہونے والا ہے۔ چشم تصور سے تو وہ ابھی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر میں سینما کے باہر جمع

MashalBooks.org

ڈچ سپاہیوں پر گرنیڈ پھینکیں گے اور بھاگ جائیں گے پھر کیا ہوگا؟ اس سے آگے اس کا ذہن کام نہیں کرتا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ ایک شام حاضل اس کے گھر آیا تھا۔ وہ شام ایک روز پہلے تھی؟ نہیں دو روز پہلے یا شاید تین روز پہلے..... یا شاید ایک ہفتہ، پہلے، ایک مہینہ، ایک سال یا دس سال پہلے؟..... عیسیٰ کچھ یاد نہیں کر سکتا تھا، کوئی حساب نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسے وہ دن ایک خواب کی طرح بہت دور دکھائی دے رہے تھے جب دستی بم پھینکنا زندگی میں شامل نہیں تھا..... جب ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر قتل ہونے والے سپاہیوں کا انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ اس شام حاضل کے لئے دروازہ کھولنے والا وہ خود نہیں کوئی اور تھا..... ایک اور اجنبی جو کسی اور دنیا میں رہتا تھا..... وہ خود نہیں۔ وہ تو اتنا پاگل نہیں ہوسکتا تھا کہ بیٹھ کر سینما ٹوٹنے کا انتظار کرے تاکہ وہ دستی بم پھینک کر لوگوں پر موت وارد کر سکے۔

''میں تشدد نہیں کر سکتا'' اس شام اس نے چپکے سے حاضل سے کہا، جو اسے دوسرے شہر میں ہیڈ کوارٹر کا منصوبہ سمجھا رہا تھا۔ انہیں آزادی کی جدوجہد پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ ہیڈ کوارٹر سے آنے والے خط کا مفہوم بھی یہی تھا۔ عیسیٰ نے خود تو وہ خط نہیں پڑھا تھا لیکن اسے حاضل نے بتایا تھا کہ ان کے گروہ کو ڈچ حکمرانوں کے خلاف زیر زمین کاروائیاں کرنے کا حکم ملا ہے۔ مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ آزادی کی جدوجہد ہر جگہ جاری ہے۔ باہر کی دنیا کو یہ پتہ چلنا ضروری تھا کہ عین ڈچ حکمرانوں کی ناک کے نیچے جکارتہ میں بھی مجاہدین دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہیں۔ عیسیٰ نے ایک بار پھر حاضل سے سرگوشی کی۔ ''میں تشدد نہیں کر سکتا یار'' حاضل نے بہت بے نیازی سے کہا'' میں بھی تشدد نہیں کر سکتا، میں بھی تو ایک موسیقار ہوں۔''

اس جواب نے عیسیٰ کے لئے اعتراض کی گنجائش بالکل ختم کر دی۔ اسے گرنیڈ پھینکنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا تھا۔ بالکل بیکار..... اگر حاضل ناراض ہوتا اور اس پر چلاتا، شاید تب وہ اکڑ جاتا اور اس کی تجویز مسترد کر دیتا، مگر اب.....؟

اسے لگ رہا تھا جیسے حاضل یا ساری دنیا پاگل ہوگئی ہے، یا وہ خود پاگل ہے..... یہ فرق سمجھنا ناممکن سا لگ رہا تھا کہ دنیا پاگل ہے یا حاضل، وہ خود یا شہر

کے باہر ہیڈ کوارٹر سے آیا ہوا منصوبہ۔ اسے لگا جیسے وہ ایک اندھیرے جنگل میں ہے، جہاں کچھ بھی سمجھائی نہیں دیتا۔ اس کے ہر طرف راستہ بند ہے اور اس کے پاس خود کو حالات کے حوالے کر دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ اسی لمحے حاضل نے اسے بتایا کہ وہ اور رحمت دستی بھم پھینکنے جا رہے ہیں اور عیسیٰ کو بعد کے حالات جاننے اور سنبھالنے کے لئے خبردار رہنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ وہ کامیاب ہوتے ہیں، مارے جاتے ہیں یا گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر اسے ساری رپورٹ ہیڈ کوارٹر پہنچانا ہوگی۔ اگر وہ کامیاب ہوں گے تو عیسیٰ سیدھا گھر جا کر دونوں میں سے ایک کا انتظار کرے تاکہ وہ دستی بم پھینک کر لوگوں پر موت وارد کر سکے۔ اگر دو دن تک ان کی کوئی خبر نہ آئے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ گرفتار ہو گئے۔ پھر عیسیٰ کو یہ اطلاع ہیڈ کوارٹر پہنچانا ہوگی۔

عیسیٰ حاضل اور رحمت کے تحفظ کے مدنظر بالکل انکار نہ کر سکا.....اس کے خوف کو اس احساس ندامت نے دبا دیا تھا کہ حاضل اور رحمت نے تو اپنے ذمے سب سے مشکل کام کر لیا ہے، اسے تو صرف نگرانی کرنا تھی، سو اس نے اپنا فرض ادا کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے اندیشے اندر ہی دفن کر لئے۔ حاضل ہاتھ ملا کر روانہ ہوا اس کا چہرہ کسی اہم کام کے لئے قربانی کے احساس سے روشن تھا۔ چلتے چلتے وہ بولا۔

''ذرا سوچو عیسیٰ۔ ہم لوگ پبلک میں چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں، سوتے ہیں، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق روپوش لوگوں سے ہے۔ اگر کسی علاقے کی تلاشی لی جائے تو ہم خوفزدہ ہو کر چھپ جاتے ہیں، ولندیزی پولیس کی ایک جھلک ہمارا خون خشک کر دیتی ہے لیکن ہم باتیں انقلاب کی کرتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟''

عیسیٰ خاموش رہا۔ آخر کیا کہتا؟

حاضل کی آمد اور اس شام کے دوران ابھی صرف دو راتیں گزریں تھیں، لیکن ان دو راتوں میں اس کے خوفناک ڈراؤنے خواب اس پر طوفانی سمندر کی طرح حملہ آور ہوتے رہے۔ موجیں مارتی لہریں اسے ڈھانپ دیتیں، بار بار وہ چونک کر جاگ اٹھتا، ٹھنڈے پسینے میں بھیگا، ہانپتا ہوا.....

اگلی صبح اس کے منہ کا ذائقہ سخت کڑوا تھا، معمول سے بہت گندہ، اسے بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی اور بار بار قے محسوس ہوتی تھی۔

MashalBooks.org

فاطمہ کو معلوم نہیں تھا کہ شام کو وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ حاضل کا خیال تھا کہ فاطمہ کو بے خبر رکھا جائے۔ اب عیسیٰ کو فاطمہ سے عجیب لاتعلقی محسوس ہوتی تھی۔ دوری کی حد تو یہ تھی کہ جب کبھی اپنے ڈراؤنے خوابوں سے ڈر کر اس کی آنکھ کھلتی تو اپنے پاس لیٹی خوبصورت اور پرسکون فاطمہ کو دیکھ کر اسے لگتا جیسے وہ کوئی اجنبی عورت ہے جسے وہ پہلے سے بالکل نہیں جانتا۔

اسے معلوم تھا کہ فاطمہ کے پاس اس کی تنہائی کا کوئی علاج نہیں، وہ اس کے ساتھ اپنے خوف، دہشت، دکھ اور خوشیاں بانٹ نہیں سکتا، خوشی کے لمحے تو یوں بھی اس کے پاس بہت کم آتے ہیں۔ اس کی ذہنی کیفیت تھی کہ اگر تاریک جنگل سے باہر نکلنے کا اسے کوئی راستہ مل بھی جاتا، تو آگے ایک سخت اور خشک صحراء اس کا منتظر ہوتا۔ جب سے حاضل کا پائپ اسے تکیے کے نیچے سے ملا تھا.....شاید ایک دن یا ایک صدی پہلے۔ اس کے دل میں کوئی چیز مر گئی تھی۔ کوئی چیز جو ہر سیاہ خوف کے باوجود تر و تازہ رہتی تھی، اب اس کے دل میں زندہ نہیں رہی تھی لیکن عیسیٰ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ ناامیدی میں امید کا دیا روشن کئے ہوئے تھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر اس نے پائپ کا مسئلہ اٹھایا تو ساری بات کھل جائے گی جس بات سے وہ ڈر رہا تھا وہ ہو جائے گی اور وہ اس سب سے بچانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے اور فاطمہ کے درمیان کچھ بھی باقی نہیں بچا، لیکن اس کڑوے سچ کے اعتراف میں وہ ہر ممکن دیر کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے پائپ میز کے دراز میں چھپائے رکھا۔

ایک عورت سڑک پر جاتی ہوئی ریسٹورنٹ کے کنارے رکھی میز کے قریب سے گزری، عیسیٰ نے دیکھا کہ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی مگر عیسیٰ کے لئے یہ سب بے معنی تھا۔ رحمت کچھ بولا مگر اپنے خیالوں میں گم ہونے کے سبب عیسیٰ سن نہیں سکا۔ رحمت نے کہنی مار کر حاضل کو اشارہ کیا۔

''یار یہ کیسی ہے؟ ذرا اس کا کولھے مٹکانا تو دیکھو''۔

''افوہ تم تو پاگل ہو..... بالکل پاگل، عورت نظر آئی نہیں اور تمہاری رال ٹپکنے لگی۔'' رحمت خجل ہو کر ہنسا اور اپنے گلاس کا پیندا دیکھنے لگا، جہاں لیمپ کی روشنی سے پرچھائیوں کا کھیل ہو رہا تھا اور تھوڑی سی بیئر بھی بچی رکھی تھی جس میں جھاگ کے

MashalBooks.org

چھوٹے چھوٹے بلبلے بن رہے تھے۔ جھاگ کے بلبلوں نے اسے زخمی ہونے والے شخص کے منہ سے نکلنے والے جھاگ یاد دلا دیئے۔ فرق صرف یہ تھا کہ مسافر کے منہ سے نکلنے والے جھاگ لہو سے سرخ تھے۔

''ارے'' حاضل، رحمت اور عیسیٰ اپنے خیالوں سے چونکے۔ ہجوم سینما سے نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے، ہر ایک کو اپنی ذمہ داری معلوم تھی۔ حاضل مشروبات کے پیسے ادا کرنے گیا اور پھر ہجوم میں گم ہو گیا۔ رحمت کے اس کے پیچھے گیا اور ایک چھوٹے سے کھوکھے کے پاس پوزیشن سنبھال لی۔

عیسیٰ نے انتظار کیا۔ دستی بموں کے دو دھماکے ہونے تک اسے انتظار کرنا تھا اور یہ خبر لینا تھی کہ حاضل اور رحمت کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔ اس کے بعد اسے فوراً گھر پہنچنا تھا۔

سڑک پر ریسورنٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے عیسیٰ کو لگا جیسے وقت رینگ رہا ہے۔ سینما کے سامنے ہجوم میں لوگ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے اپنی اپنی منزلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سائیکل رکشا کی گھنٹیاں اور مسافروں کو پکارتے ڈرائیوروں کی آوازیں کاروں کے ہارن کی پکار میں الجھ گئی تھیں، جن کے ڈرائیور بے تابی سے آگے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ٹرام وہاں آ کر رکی تو لوگ ریلے کی طرح اس کی طرف امڈے اور جگہ حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کو دھکے دینے لگے۔

''بس ابھی، ابھی، ابھی، ابھی کسی بھی لمحے'' عیسیٰ نے سوچا، لیکن کوئی دھماکا نہیں ہوا۔ عیسیٰ خوفزدہ تھا۔ یکا یک ایک نئے احساس نے اس کے دل میں جنم لیا، اسے لگا بھیڑ بکریوں کے گلے کی طرح سینما کے سامنے جمع لوگ اس سے کتنے کمزور ہیں۔ عیسیٰ کی یہ برتری کیا کم تھی کہ اسے اگلے لمحے میں ہونے والے واقعے کا علم تھا جبکہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے۔ خوف میں یہ احساس شامل ہو جانے کے بعد اس کا سر غبارے کی طرح ہلکا ہو گیا اور ہوا میں اڑنے لگا۔

پہلا دستی بم پھٹنے پر عیسیٰ کو دھماکے نے چونکا دیا، حالانکہ وہ اتنی دیر سے اس کا منتظر تھا پھر دوسرا دستی بم پھٹا اور عیسیٰ سمجھ گیا کہ رحمت اور حاضل نے اپنا کام کر دیا۔ اب اس کے کام کی باری تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

MashalBooks.org

یکے بعد دیگرے دو بم کے دھماکوں نے قیامت کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ایسا لگا کہ سینن سکوائر میں سینما کے سامنے کا ہجوم کسی جناتی پنکھے کے تیز پروں میں کچلا گیا، چیخیں مارتے اور فریادیں کرتے ہوئے لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ان چیخوں میں سٹین بندوقوں اور رائفلوں کی تڑاتڑ بھی شامل ہوگئی۔

چند لمحوں بعد سینن سکوائر اور سینما کے سامنے کی جگہ بالکل ویران ہوگئی، چند سائیکل رکشے باقی بچے تھے، مونگ پھلیوں کے الٹے ہوئے ڈبے کا سامان ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا۔ تلے ہوئے کیلے بیچنے والے کا فرائنگ پین اور میز الٹے پڑے تھے۔ چولہے میں کوئلے ابھی سلگ رہے تھے۔ دوکانداروں نے جلدی جلدی لیمپ بجھائے اور دکانیں بند کر دیں۔

فائرنگ کی آواز بھی ختم ہوگئی، لیکن چوک کی خاموشی کو جلد ہی ولندیزی ملٹری پولیس کی جیپوں کے تیز سائرنوں نے توڑ ڈالا۔ ان کے سفید ہیلمٹ رات کی تاریکی میں مردہ انسانوں کی کھوپڑیوں جیسے لگ رہے تھے۔

نہایت پھرتی کے ساتھ انہوں نے چوک کو گھیرے میں لے لیا اور تفتیش کرنے لگے۔ سینما کے سامنے زمین پر گرے سپاہیوں کو جلدی جلدی ایک ایمبولینس میں لے جایا گیا اور کراہتے ہوئے باقی لوگوں کو ابتدائی طبی امداد دی گئی۔ ملٹری پولیس کے کچھ ارکان ٹارچوں کی مدد سے بموں کے ٹکڑے ڈھونڈ رہے تھے۔

دوسرا بم پھٹنے پر پریشان ہو کر عیسیٰ اپنا کام بھول گیا تھا اور بچاؤ کے لئے بھاگتے ہوئے ہجوم کے ساتھ بھاگنے لگا تھا وہ اس وقت رکا جب سانس پھولنے کی وجہ سے اس کے لئے بھاگنا ناممکن ہوگیا۔ رکا بھی کہاں، ہانپتے ہوئے لڑکھڑا گیا۔ اس کا سینہ پھٹ رہا تھا۔ بھاگتے ہوئے انسانوں کی ندی اب پتلی ہوگئی تھی۔ وہ ایک چھوٹی گلی کے کونے پر واقع ایک دروازے کے پاس رکا، سخت وحشت زدہ اور سہما ہوا۔ اسے وہاں کھڑے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ایک آدمی نے گھر کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ عیسیٰ اس سے پناہ مانگنے والا تھا کہ اس نے کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ بند ہوتے دیکھ کر عیسیٰ کا خوف کئی گناہ بڑھ گیا۔

اسے سب یاد آ گیا کہ ابھی ابھی رحمت اور حاضل نے کیا کیا ہے اور اس کا ان

دونوں سے کیا رشتہ ہے۔ جلدی سے دروازہ بند کرنے والے آدمی کے خوف نے اس کے اپنے خوف کو کئی گناہ بڑھا دیا تھا۔

''مجھے گھر جانا چاہیے'' اس نے خود سے سرگوشی کی اور اپنے دل کی دھمک روکنے کی کوشش کرنے لگا جو اور زیادہ تیز ہوگئی۔ اس کے سینے میں کوئی تیز دھار چیز چبھ رہی تھی۔

''مجھے فوراً، فوراً گھر جانا چاہیے'' اس نے دوبارہ خود سے سرگوشی کی۔

وہ چلنے لگا لیکن گلی کے آخر میں جا کر رک گیا۔ کوئی ٹانگ شاہراہ تاریک اور ویران تھی۔ اپنے کھڑے ہونے کی جگہ سے اسے ایک آرمی ٹرک اور ملٹری پولیس کی جیپ صاف دکھائی دے رہی تھی..... نمبر ایک ٹرام سٹاپ کے قریب سڑک کے عین درمیان، اس نے گلی چھوڑ دی اور تیزی سے کیبون سری کے دوراہے کی طرف چلنے لگا۔ چند قدم اٹھانے کے بعد ہی اس نے اپنے پیچھے تیزی سے بھاگتی ہوئی ایک جیپ کی آواز سنی۔ وہ جلدی سے درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ جب جیپ نے تلاشی کی غرض سے سامنے روشنی ڈالی تو عیسیٰ سڑک پر نہیں تھا۔ اس نے درخت سے ٹیک لگا لی تھی۔ وہ دھم دھم بجتے دل کے ساتھ ہانپ رہا تھا۔

جیپ پل کے دوسری طرف غائب ہوگئی تو وہ پھر تیز تیز چلنے لگا۔ اس کا دل قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ خوف کے چنگل میں تھا۔ ایک تاریک اور بیابان سڑک پر رات کے وقت بالکل اکیلے چلنا اسے بہت دشوار لگ رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے دن کی تیز روشنی میں وہ بالکل الف ننگا پھانسی کے تختے کی طرف جا رہا ہے اور اس کے سارے شاگرد اسے دیکھ رہے ہیں۔

اس نے دل میں سوچا..... اب میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ اس سے میرا کوئی بھی تعلق ہو۔'' اس نے کہا ''کبھی نہیں، کبھی نہیں'' اس نے دہرایا ''میں نہیں چاہتا..... نہیں چاہتا اور نہیں..... پھر کبھی نہیں۔''

''اب اس کے بعد میں صرف زندہ رہنا چاہتا ہوں''..... اس نے خود سے کہا..... ''میں صرف جینا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ جمہوریہ کے مسائل سے یا ولندیزیوں کے معاملات میں الجھوں۔ میں صرف ایک استاد کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتا ہوں اور بس۔''

MashalBooks.org

اس نے ڈچ دور کے بارے میں سوچا۔ جہاں تک اس کا تعلق تھا، وہ زمانہ موجودہ زمانے سے کہیں بہتر تھا۔ تب آدمی کام بھی کر سکتا تھا اور سکون سے جی بھی سکتا تھا۔ جاپانیوں کے قبضے کا دور بھی ''کـنپیتـائـی'' (جاپان کی خفیہ پولیس) کے خوف کے باوجود، آج کے دور سے بہتر تھا لیکن اب تو کام کاج اور زندگی محال تھی۔

جب اس نے اچانک ''عیسیٰ، عیسیٰ'' کی تاکید بھری اور تحکم بھری آواز سنی تو وہ خوف سے لرز گیا۔ اسے پہلا خیال یہ آیا کہ بھاگ جائے۔ مگر جب اس نے یہ بھی سنا کہ ''یہ ہم ہیں..... حاضل اور رحمت'' تو اطمینان کا ایک گرم اور سرد احساس اس پر چھا گیا۔ اس احساس نے اس کے جسم کے سبھی رخنے یوں بھر دیئے کہ وہ اس خوف کو بھی بھول گیا جو اس کا گلا دبا رہا تھا۔ وہ تیز تیز، بارش کے پانی پر سے پھلانگتا ہوا، ایک گھر کی پتھر کی دیوار کے پیچھے جا پہنچا۔

حاضل اور رحمت وہاں ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے دبکے بیٹھے تھے۔ حاضل نے اس کے کندھے کو پکڑ کر اسے اپنے قریب دبک جانے کو کہا۔ حاضل نے کہا۔ ''تم اکیلے جا رہے تھے..... جرم کی ایک تصویر بنے ہوئے۔ اگر میں ڈچ سپاہی ہوتا تو تمہیں سب سے پہلے گرفتار کرتا۔ صاف ظاہر ہے کہ تم بچ نکلنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''ہم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا!'' رحمت نے کہا۔ عیسیٰ کو ایک بار پھر خوف نے جکڑ لیا۔

''میں نے دو آدمیوں کو زمین پر لیٹے دیکھا۔ ایک ایمبولینس انہیں اٹھا کر لے گئی۔'' اس نے کہا۔ وہ دراصل جلدی سے سارے قصے سے خلاصی حاصل کرنا چاہتا تھا ''اور بہت سے لوگ زخمی ہو گئے تھے۔''

''بہت سے کہاں۔ صرف دو۔'' رحمت نے ملامتی انداز میں کہا۔ چند لمحوں کے لئے تینوں خاموش رہے۔ تب رحمت بولا ''چلو گھر چلیں بہتر یہ ہے کہ ہم الگ الگ ہو جائیں۔''

عیسیٰ کے خوف کا اندازہ کر کے حاضل نے کہا ''میں عیسیٰ کو گھر لے جاؤں گا۔''

رحمت اٹھا۔ باڑ پر سے پھلانگا۔ تیزی سے درخت کے سائے تلے پہنچا اور گانگ نا ننگ کا میں گم ہو گیا۔ عیسیٰ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور یوں محسوس کیا جیسے اس کے

MashalBooks.org

ساتھ خود اس کا جسم بھی تحلیل ہو گیا ہے۔

اور حاضل نے کہا۔ ''اب ہماری باری ہے۔ چاہے تمہارے قریب سے جیپ یا کوئی گاڑی گزرے، بالکل معمول کے انداز میں چلتے رہنا۔ اگر گاڑیوں کے سامنے بتیوں کی روشنیوں میں بھاگ نکلے تو وہ ہمارا تعاقب کریں گے۔''

دونوں اٹھے اور چل دیئے۔

اگرچہ عیسیٰ ابھی تک خوفزدہ تھا مگر اب وہ قدرے پرسکون تھا۔ حاضل خاموش تھا اور عیسیٰ اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دراصل رات کے تجربے کے بعد اس کی زبان بند ہو گئی تھی۔

جب حاضل اپنے گھر چلا گیا اور ملازمہ نے اس کے لئے دروازہ کھولا تو عیسیٰ کو بہت عجیب سا لگا۔ اسے یہ گھر نیا اور اجنبی سا محسوس ہوا جیسے وہاں کچھ ایسی چیز ہے جسے وہ پہچان نہیں پا رہا۔ اب تک اس کے محسوسات کی وجہ سے بدل چکا تھا۔ فاطمہ سو رہی تھی یا سوتا بن رہی تھی اور عیسیٰ نے تلخی سے سوچا کہ اگر آج رات وہ مار دیا جاتا تو فاطمہ کے لئے یہ واقعہ بے معنی ہوتا۔ یہ غیر منصفانہ سوچ تھی کیونکہ فاطمہ کو تو ان کے منصوبوں کا کوئی علم نہ تھا۔ فاطمہ کی گہری نیند نے اس خلیج کو مزید پھیلا دیا جو ان کے درمیان حائل تھی۔ اس رات وہ اپنے خوف میں لپٹا ہوا تنہا سویا، اگرچہ فاطمہ بھی اسی اندھیرے کمرے میں موجود تھی۔

اس کا یہ حال تھا کہ نانگ کا کے درختوں میں سے گزرتی ہوا کو وہ ملٹری پولیس کی سرگوشیاں سمجھا، جیسے وہ اس گھر پر یلغار کرنے والے ہوں اور جب ایک پرانی شاخ ٹوٹ کر اس کی چھت پر گری تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے دروازے پر وحشیانہ دستک ہوئی ہو۔ اس کا یہ وہم اتنا قوی ہو گیا کہ عیسیٰ تیزی سے اپنے بستر پر سے اٹھا بیڈروم کی دیوار کی طرف لپکا اور دیوار اور الماری کے درمیان شگاف میں گھس گیا۔ اس کا بدن کانپ رہا تھا، گھٹنے لرز رہے تھے، سانس بھاری ہو گیا تھا اور اس کا دل خوف کی گرفت میں آ کر یخ ہو رہا تھا۔ چند لمحوں کے لئے وہ اس جنگلی جانور کی طرح اکڑوں بیٹھا رہا جو بھاگ نہ سکتا ہو۔ خوف سمندر کی موجوں کی طرح اسے ساحل پر دے دے مار رہا تھا۔ جو خوف اس رات اس پر طاری تھا وہ صرف اس کا خوف نہ تھا، پوری انسانیت کا خوف تھا۔ وہ سارا خوف جو انسان محسوس کر سکتا ہے، اس لمحے اس پر ٹوٹ پڑا تھا اور اسے دیوار و الماری کے درمیان دبوچ رکھا

MashalBooks.org

تھا۔ یہ ننھے سلیم کا خوف بھی تھا، فاطمہ کا بھی، خود اس کا اپنا بھی۔ حاضل کا خوف اور صالح کا اور حامدی کا..... ان سب کا خوف جو اس رات ٹھیک سے سو نہیں سکے تھے اور جن کی نیند بے چین تھی اور جو سو رہے تھے ٹوٹے پھوٹے گھروندوں اور گھروں اور ایوانوں اور دیہات اور شہروں اور وادیوں اور پہاڑوں پر اور سمندروں پر اور فضاؤں میں..... دنیا میں وہاں وہاں انسانی مخلوق جہاں جہاں بھی ہے، تاریخ کے آغاز سے لے کر آج تک کے جنگ کے میدانوں میں سب سپاہیوں کا خوف، ان عیسائیوں کا خوف جنہیں نیرو نے روم میں بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا تھا، دیوتاؤں اور بھوتوں سے قدیم انسان کا خوف اور شکاریوں کے ڈر سے وحشی جانوروں کا خوف، اس ہرن کا خوف جو اژدھے کی لپیٹ میں ہو..... یہ سب خوف اس پر ٹوٹ پڑے، اس کچلتے ہوئے رگیدتے ہوئے اور اسے دیوار اور الماری کے درمیان شگاف بچھاڑتے ہوئے..... یہ سب خوف اور مزید خوف۔

اور عیسیٰ اکڑوں بیٹھا تھا۔ اسکی آنکھوں میں وحشت تھی، وہ بمشکل سانس لے پا رہا تھا اور اس کا سینہ دکھ رہا تھا..... اس کے گھٹنے لرز رہے تھے اور اس کا پیٹ ٹھنڈا اور خالی تھا۔ کرہ ارض کے ہر گوشے سے ابھرتے ہوئے خوف کی گرجتی موجیں اس پر برس رہی تھیں اور وقت کی روانہیں مسلسل بہائے جا رہی تھی۔ وہ وہاں کتنی دیر تک پڑا رہا؟ لمحے صدیاں بن کر اس کے قریب سے آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے گزرتے رہے۔

تب اسے معلوم ہوا کہ سرگوشیاں دراصل نانگ کا کے پتوں میں سے گزرتی ہوا کی آوازیں ہیں۔ اسے ایسی آسودگی کا احساس ہوا جیسے خوف کے جن نے اسے جنسی گرفت میں لیے رکھا ہو اور اپنے اس فعل سے فارغ ہونے کے بعد اسے نحیف اور رعشہ زدہ چھوڑ گیا۔ الماری کا سہارا نہ ہوتا تو وہ گر جاتا۔ اس نے دل کی دھڑکنوں کے پرسکون ہونے اور پیٹ کی گہرائی میں دھم دھم کے ختم ہونے کا انتظار کیا۔ ٹھنڈے پسینے نے اس کی گردن اور پیٹھ کو بھگو دیا تھا۔ تب اس نے پلنگ کی طرف دیکھا۔ فاطمہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر عیسیٰ نے نفرت بھرا حسد محسوس کیا۔ مگر جس طرح خوف کی لہریں دب گئی تھیں اس طرح یہ احساس بھی غائب ہو گیا۔

عیسیٰ اس کے بعد گہری نیند نہ سو سکا۔ تفکرات اور خوف کے بوجھ کی وجہ سے وہ

کروٹوں پر کروٹیں بدلتا رہا۔ پو پھٹنے سے کچھ پہلے ساتھ والے کمرے میں ننھے سلیم کے رونے چلانے کی وجہ سے اس کی آنکھ پھر سے کھل گئی۔ عیسیٰ اٹھا اور اس کی طرف چلا گیا۔ سلیم لیٹا سسک رہا تھا مگر جب عیسیٰ آیا تو اس نے اپنے آنسو روکے اور سوتا بن گیا۔ عیسیٰ اس پر جھکا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''سلیم ..... کیوں رو رہے ہو؟ کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟'' تب خود اس کی آواز میں بھی کپکپی تھی اگرچہ خود اسے یہ بات محسوس نہیں ہوئی۔

سلیم ابھی تک سوتا بنا پڑا تھا۔ جب عیسیٰ نے دوبارہ وہی سوال پوچھا تو اس نے آنکھیں کھولیں، عیسیٰ کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''میں ڈر گیا تھا'' بچے کے منہ سے نکلے ہوئے ڈر کے اس لفظ نے عیسیٰ پر جیسے سخت ضرب لگائی۔ چند لمحوں تک اسے کہنے یا کرنے کو کچھ نہ سوجھا۔ وہ سلیم پر جھکا ہوا تھا۔ سلیم اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے ہونٹ کانپے جیسے وہ پھر سے رونے والا ہو مگر عیسیٰ سنبھل گیا۔ وہ جلدی سے پلنگ پر بیٹھ گیا اور سلیم کا سر تھپتھپانے لگا۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔ ''ڈر؟ کس بات کا ڈر؟''

بچے نے جواب دیا۔ ''مجھے اندھیرے میں اکیلے سونے سے ڈر لگتا ہے۔'' عیسیٰ اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سلیم کئی برس سے یونہی اکیلا سوتا ہے۔ اسکی ہر رات خوف سے لبریز ہوتی ہے اور وہ تنہا یہ خوف بھگت رہا ہے۔ وہ سلیم کے محسوسات کو تو سمجھ گیا مگر اس کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ وہ کہے کیا۔

اس نے پوچھا ''اگر میں روشنی جلا دوں تو کیا تم پھر بھی ڈرو گے؟'' سلیم نے نفی میں سر ہلایا۔

عیسیٰ اٹھا اور روشنی کا بٹن دبا دیا۔ پھر اس نے کہا۔ ''لو بھئی۔ اب تو روشنی ہو گئی۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ سو جاؤ''۔

سلیم متشکرانہ انداز میں مسکرایا اور عیسیٰ واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ آہستہ سے بستر میں گھس گیا مگر پو پھٹنے تک جاگتا رہا۔ ہر طرح کے خیالات اسے پریشان کرتے رہے اور جب آسمان روشن ہوا تو وہ سو گیا۔ فاطمہ نے کھڑکی کھولی تو عیسیٰ کی آنکھ کھلی۔ اس کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو رہا تھا اور سانس بدمزہ تھی۔ وہ اپنے مصنوعی دانت گلاس میں رکھنا بھول گیا تھا۔

MashalBooks.org

اس روز سکول میں عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ بیمار ہے۔ ہر شخص ریکس سینما کے سامنے دستی بم پھینکے جانے کی باتیں کر رہا تھا اور اگرچہ شاگردوں اور استادوں کی طرف سے دستی بم پھینکنے والوں کی تعریف سن کر اسے تسکین ہوئی مگر عیسیٰ اس خوف سے دامن نہ چھڑا سکا کہ کسی بھی لمحے ملٹری پولیس سکول میں آ کر اسے گرفتار کر سکتی ہے۔

پڑھاتے وقت اور تفریح کے وقفے میں عیسیٰ کو ننھے سلیم کا خیال آیا اور وہ خود کو ملامت کرنے لگا۔ عیسیٰ پر کھلا کہ وہ دونوں ایک سے ہی ہیں۔ دونوں کے اندر خوف بھرا ہے۔ اگرچہ دونوں کے خوف کے اسباب مختلف تھے۔ مگر خوف کا جذبہ دونوں میں تھا۔ سلیم برسوں سے یہ خوف برداشت کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس نے اتنی مدت تک خوفزدہ زندگی گزار دی ہے۔ وہ دوسرے بچوں کی طرح کھیلتا تھا۔ دوسرے بچوں کی طرح گاتا تھا..... مگر گزشتہ رات کو وہ خوف کی زد میں تھا۔ پھر عیسیٰ کو جب خود اپنے خوف کا خیال آیا تو اس کے خیالات رک گئے۔ وہ یہ سوچ کر حیران ہوا کہ سلیم کا سا چھوٹا بچہ بھی خوف کے معنی جانتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس نے سوچا کہ خوف کو تسلیم کر کے خوف کے ہمراہ ہی زندگی بسر کر لینی چاہیے۔ اسے ننھے سلیم کی پیروی کرنی چاہیے مگر کیسے؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا..... کیا ہر شخص کا اپنے خوف کے ساتھ زندگی بسر کرنا ضروری ہے؟ کیا ہر شخص کو اپنے خوف کے ساتھ زندہ رہنے کا سلیقہ آنا چاہیے؟ یا کیا خوف سے چھٹکارا ممکن ہے؟ کیا خوف ہر شخص کے دامنگیر ہوتا ہے؟..... یا کیا ایسے لوگ بھی ہیں جو کبھی، کسی بھی حالت میں خوف سے متعارف نہیں ہوتے؟

جب وہ آخری پیریڈ پڑھا رہا تھا تو اس کی توجہ سبق پر مرکوز نہیں تھی۔ اس نے اپنے شاگردوں کو دیکھا اور سوچا کہ وہ کیسے کیسے خوفوں کے ساتھ جی رہے ہیں۔ اس نے اپنے ہمکاروں اور دوسرے اساتذہ کے بارے میں بھی یہی سوچا۔ ان کے بھی اپنے اپنے خوف ہوں گے۔ اور فاطمہ؟..... اسے کس کا خوف ہے؟ اور حاضل کا اور رحمت کا اور حاضل کے باپ کا؟..... سب کا خوف۔

اس کا جی چاہا یہ پیریڈ جلد ختم ہو۔ وہ سلیم کے پاس گھر جانا چاہتا تھا۔

MashalBooks.org

(9)

خبر غیر متوقع طور پر ایک کڑک کے ساتھ آئی۔ عیسیٰ ''گینگ ڈجا کسا'' میں اخباروں کے سٹال پر کھڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ دستی بم پھینکنے کے واقعے کے بعد صرف ایک ہی ہفتہ گزرا تھا اور اس ایک ہفتے کے دوران نہ حاضل اس کے گھر آیا نہ رحمت اور یہ کوئی حیران کن بات نہیں تھی کیونکہ انہوں نے اسے بتا رکھا تھا کہ اس رات کے بعد ان کا اس کے ہاں کچھ مدت کے بعد ہی آنا ہوگا۔ اب وہ اپنے خوف کے ساتھ زندہ رہنا سیکھنے لگا تھا۔ یہ خوف اسے بے چین ضرور رکھتا تھا مگر جب خوف کی لہریں اس کے دل پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھیں تو وہ دل کی رفتار پر قابو پانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس ہفتے میں کچھ بھی تو نہ ہوا تھا اور وہ ایک بار پھر پرسکون ہو رہا تھا۔

پڑھاتے ہوئے یا کھانا کھاتے ہوئے نہاتے ہوئے یا تنہائی میں اب وہ ملٹری پولیس کی طرف سے سفاکانہ گرفتاری کا خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا۔

چنانچہ خبر کی سرخی اس پر بجلی بن کر ٹوٹی:

''دستی بم پھینکنے والا گرفتار کر لیا گیا۔''

سرخی کے بعد مفصل رپورٹ تھی کہ پولیس کی محنت اور مہارت کی وجہ سے گزشتہ ہفتے ریکس سینما کے سامنے بم پھینکنے والا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ خبر میں اس کا نام درج نہیں تھا

مگر یہ واضح کیا گیا تھا کہ اس نے جرم کا اقبال کر لیا ہے اور پولیس مزید تفتیش میں مصروف ہے۔

عیسیٰ کا دماغ شل ہو گیا۔ خوف نے اسے جکڑ لیا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ٹیسوں میں بدل گئی۔ وہ بت کی طرح بیٹھا رہ گیا۔ اس کی نظریں اخبار پر جمی تھیں اور وہ باقی سب باتوں سے بے خبر تھا خبر کے حروف دھندلا گئے۔ پھر ٹیڑھے میڑھے ہونے لگے۔ پھر ادھر ادھر بکھر کر تیرنے لگے۔ سفید اخباری کاغذ نہایت سیاہ ہو گیا تھا۔

یکدم اسے غش آ گیا اور وہ کرسی پر پھیل سا گیا تو اخبار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دکان کے مالک اور کافی پینے والے دوسرے لوگ سب حیران رہ گئے۔ ایک نے گھبرا کر کہا۔ ''استاد تو بیہوش ہو گیا ہے۔''

مالک نے پانی کے ایک گلاس میں انگلیاں ڈبوئیں اور عیسیٰ کے ماتھے پر پھیریں۔ کسی اور شخص نے اس کے کالر کا بٹن کھول دیا اور سب نے اسے اٹھا کر ایک بنچ پر ڈال دیا۔

چند لمحے بعد عیسیٰ نے آنکھیں کھولیں۔

کسی نے کہا۔ ''لو بھئی۔ وہ ہوش میں آ رہا ہے۔''

وہ ایک دائرے میں اس کے پاس کھڑے تھے۔ آہستہ آہستہ سیاہی چھٹی اور عیسیٰ نے پہلے ان لوگوں کے پیٹ دیکھے پھر اس کی نظر ان لوگوں کے سینوں پر گئی۔ پھر گردنوں پر اور پھر چہروں پر، جو اب اسے پریشانی اور تسکین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

عیسیٰ گھبرا گیا اور اس کا خوف اس کے ذہن میں پلٹ آیا مگر وہ اس نے اپنے اندر یہ کہنے کی ہمت پیدا کی کہ ''مجھے افسوس ہے۔ دراصل آج میں ٹھیک محسوس نہیں کر رہا تھا۔'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اسے سہارا دیا اور آخر کار وہ کھڑا ہو گیا اور کرسی کا سہارا لیتے ہوئے بولا۔ ''اب میں ٹھیک ہوں۔ اب میں خود ہی گھر چلا جاؤں گا۔''

لوگوں نے اسے دکان سے نکلتے اور گھر کی طرف جاتے دیکھا۔ مگر اس کے دل میں تو آندھی چل رہی تھی۔ آخر کون گرفتار ہوا؟ ..... رحمت یا حاضل؟ انہوں نے اسے کیوں مطلع نہیں کیا تھا؟ ..... میں گرفتار ہونیوالا ہوں۔ مجھے گرفتار کیا جانے والا ہے۔

مجھے بھاگ جانا چاہیے۔ بھاگ جانا چاہیے۔ گھر مت جاؤ۔ پولیس وہاں تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ ابھی اسی وقت بھاگ نکلو۔ مگر کہاں؟ میں بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں؟ کسی دوست کے ہاں جا چھپوں۔ مگر مجھے چھپانے کا حوصلہ کون کر پائے گا؟

جب وہ گھر پہنچا تو اس نے ننھے سلیم کو صحن میں کھیلتے ہوئے دیکھا۔ وہ اندر گیا اور کچھ کہے بغیر اپنے مطالعہ کے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر لیا۔

آٹھ بجے فاطمہ نے دروازے پر دستک دی۔ عیسیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا اور جب وہ اندر آئی اور اس سے کھانے کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا کہ اسے بھوک نہیں ہے۔ اس نے کچھ ایسا تاثر دیا جیسے وہ کتاب کے مطالعے میں مستغرق ہے۔ جب وہ دروازہ بند کرتی ہوئی چلی گئی تو عیسیٰ پھر اس چھوٹے سے کمرے میں اپنے خوف کے ہمراہ تنہا تھی۔

اس کے گھر کے سامنے کی گلی سے گزرتے ہوئے لوگوں کے قدموں کی چاپ اسے گرفتار کرنے کے لئے آنے والی ملٹری پولیس کے پاؤں کی دھمک محسوس ہوئی۔ اس پر بخار کی سی کپکپی طاری ہو گئی اور وہ خوفزدہ اور ٹھنڈا ہونے لگا۔

جب بہت رات گزر گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ فاطمہ سو چکی ہے، تو وہ کرسی پر سے اٹھا اور خود کو بستر میں گرا دیا۔

جب صبح کو وہ بیدار ہوا تو اس کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر مصنوعی دانت اتارنا بھول گیا تھا۔ مگر وہ بستر پر پڑا رہا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ ساری صبح وہ ملٹری پولیس کا انتظار کرتا رہا اور آہستہ آہستہ اس کے خوف میں اضافہ ہوتا گیا۔

رات آئی اور اب عیسیٰ تیز بخار میں مبتلا تھا۔

فاطمہ ننھے سلیم کے کمرے میں سونے چلی گئی اور عیسیٰ اپنے بخار اور اپنے خوف اور ڈرا دینے والے بے نام آسیبوں کے ساتھ کمرے میں اکیلا پڑا رہا۔ ہوا میں پتوں اور کسی خشک شاخ کے ٹوٹنے کی آوازوں کے ساتھ رات کی پراسرار آوازیں اس کے بخار کے خوف اور واہموں کے پیکروں میں گھلتی رہیں۔

صبح ہوئی مگر ملٹری پولیس نہ آئی۔ عیسیٰ دو دن اور دو راتیں بیمار پڑا رہا اور ہر لمحہ

پولیس کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے بخار کے اوہام بھوتوں کی طرح کمرے میں ناچتے رہے۔ مگر پولیس نہ آئی۔

تین دن کے بعد عیسیٰ کو بستر سے نکلنے کا حوصلہ ہوا۔ وہ اپنے گھر کی باہر والی سیڑھیوں پر جا بیٹھا۔ جو خوف اس کے جسم پر کوڑے برسا تا رہا تھا، وہ کم ہونے لگا۔

تب پولیس آئی ملٹری پولیس کا ایک اہل کار اور دو شہری۔ وہ دالان کی بانس سے بنے دروازے کو کھول کر چیختے چلاتے یکا یک عیسیٰ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

ایک شہری نے ادب سے کہا۔ ''ہم عیسیٰ، سکول ٹیچر کی تلاش میں ہیں۔ کیا آپ ہی عیسیٰ ہیں؟''

عیسیٰ کو محسوس ہوا کہ اس کا خوف عود کر آیا ہے مگر یہ خوف اتنا شدید نہیں تھا۔ عیسیٰ اس کا خیال تھا اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا مگر گھبرایا نہیں۔

اس نے کہا۔ ''میں ہی عیسیٰ ہوں''۔

جس شخص نے اسے ادب کے ساتھ پہلے مخاطب کیا تھا وہ پھر بولا۔ ''معاف کیجئے گا ہمیں آپ کو ہیڈ کوارٹرز لے جانے کے احکام ملے ہیں۔''

تب عیسیٰ کو اندازہ ہوا کہ اسے گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اس کے دل میں درد بھری دھمک ہوئی اور وہیں لڑکھڑا سا گیا جیسے گر جائے گا لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔ ''بہت اچھا'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

اس آدمی نے کہا۔ ''بہتر ہے کہ آپ اپنے ساتھ کچھ کپڑے لے لیں۔''

عیسیٰ اٹھا اور گھر کے اندر گیا۔ تینوں اس کے پیچھے تھے۔ فاطمہ پرلے کمرے میں تھی۔ بہت سے قدموں کی چاپ سن کر وہ وہاں آئی اور ملٹری پولیس کو دیکھ کر زرد پڑ گئی۔ خطرے کا احساس کر کے اس نے حیرت سے کہا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

عیسیٰ بولا۔ ''یہ لوگ مجھے تھانے لے جا رہے ہیں۔ چند ضروری چیزیں اکٹھی کر دو۔''

فاطمہ حواس باختہ کمرے میں دوڑی۔ اب عیسیٰ پرسکون تھا۔ میں نے جس خوف کا تصور کیا تھا وہ حقیقت سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ ابھی تک خوفزدہ تھا مگر اسے خوف پر قابو حاصل تھا۔

MashalBooks.org

وہ بیڈ روم میں گیا۔ جس شخص نے اسے پہلے مخاطب کیا تھا، وہ اس کے پیچھے آیا۔ اس نے ایک بکس میں ایک واسکٹ، ایک سارنگ تہبند ایک پتلون اور دو قمیصیں رکھیں۔

پھر اس نے فاطمہ سے کہا۔ ''مجھے صابن کی ایک ٹکیہ دے دو'' اسکی آواز کانپ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ گھر میں صابن کی ایک ہی ٹکیہ ہے اور وہ غسل خانے میں ہے۔

فاطمہ غسل خانے میں گئی مگر جھولتی ہوئی سی۔ وہ ابھی تک صورت حال کی پوری شدت کا اندازہ نہیں کر سکی تھی۔ عیسیٰ نے صابن کی ٹکیہ کو بیگ میں رکھا اور پھر قدرے بھاری اور کانپتی آواز میں کہا میں تیار ہوں۔

اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''سلیم کا اور گھر کا خاص خیال رکھنا۔''

تب وہ جلدی سے پلٹا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ برآمدے میں پہنچا تو اس نے فاطمہ کو روتا سنا اور اس نے اپنے آپ سے پوچھا کہ وہ اس سے محبت کی وجہ سے رو رہی ہے یا اس پریشانی کی وجہ سے کہ وہ چلا گیا تو اسے مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟

اب اس کے خوف میں تلخی گھل گئی تھی۔

وہ بڑی سڑک پر آئے۔ پڑوسیوں نے عیسیٰ کو تین آدمیوں کے درمیان جاتا دیکھا۔ وہ بولے کچھ نہیں مگر عیسیٰ کو محسوس ہوا کہ ان کی نظریں اس کے تعاقب میں ہیں۔ بڑی سڑک پر ایک جیپ ان کے انتظار میں کھڑی تھی جسے ملٹری پولیس کا ایک آدمی چلا رہا تھا اور جب اسے کہا گیا کہ وہ جیپ میں پرلی سیٹ پر جا بیٹھے تو عیسیٰ نے اپنی ٹانگوں کی کمزوری اور کپکپی محسوس کی مگر وہ جیپ میں سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ملٹری پولیس کا آدمی جس کے پاس پستول تھا اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔ ایک شہری اس کے سامنے بیٹھا اور وہ جس نے اسے پہلی بار مخاطب کیا تھا، ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ ڈرائیور نے جیپ سٹارٹ کی اور جیپ چل دی۔

تب عیسیٰ نے چند گز پیچھے ایک اور جیپ کو دیکھا جس میں اتر کر چند آدمی گلی میں جانے لگے تھے۔ اس نے سوچا شاید وہ اس کی خانہ تلاشی کے لئے جا رہے ہیں۔ جیپ گینگ ڈجا کسا سے ان گھروں، سٹالوں، ٹیلی فون، کے کھمبوں، لوگوں اور بچوں کو پیچھے چھوڑتی گئی جنہیں وہ ہر روز دیکھتا تھا۔ وہ اس کے لئے ایسے ہی تھے جیسے سیاہ فریم میں لگی تصویریں۔

MashalBooks.org

جالان کیبون سیرہ میں اس کے پاس بیٹھے ہوئے ملٹری پولیس والے نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ اپنے منہ میں رکھ کر، عیسیٰ کو دوسرا سگریٹ پیش کیا۔ عیسیٰ نے جس کا خوف سے دم گھٹ رہا تھا، تسکین سی محسوس کی۔ اس نے کانپتی آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا اور سگریٹ منہ میں رکھ لیا۔ ملٹری پولیس والے نے اپنا سگریٹ جلایا اور عیسیٰ کا سگریٹ جلانا چاہا۔ ملٹری پولیس والے کو خوش کرنے کے لئے اس نے ذرا جلدی کی جس کی وجہ سے سگریٹ لائٹر بجھ گیا۔ پولیس والے نے سگریٹ لائٹر پھر جلایا اور عیسیٰ اس خوف سے کہ وہ خفا ہو جائے گا لائٹر پھر بجھا بیٹھا مگر پولیس والے نے لائٹر تیسری بار جلایا اور عیسیٰ کی طرف بڑھایا۔ آخر عیسیٰ سگریٹ جلانے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے سینے میں اطمینان کا غیر معمولی احساس پیدا ہوا۔ مگر یہ کیفیت عارضی ثابت ہوئی۔ تمباکو کی خوشبو اور سگریٹ نوشی کی مسرت میں جلد کمی واقع ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس نے فاطمہ کے بارے میں سوچا۔ سلیم کے بارے میں سوچا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ رحمت اور حاضل میں سے کون پکڑا گیا ہے۔ کس نے جرم کا اقبال کیا ہے؟ اسے حاضل کے پائپ کا خیال آیا جو اسے تکیے کے نیچے سے ملا تھا اور اس نے اسے میز کے دراز میں رکھ دیا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اب پولیس اس کے گھر کی تلاشی میں مصروف ہو گی اور جب وہ دراز کھولے گی تو فاطمہ وہ پائپ دیکھ لے گی۔ تب اسے اپنا بچپن یاد آیا اور وہ نیا سوٹ جو اس نے ''لیباران'' میں خریدا تھا اور مٹھائیوں سے بھرا ہوا مرتبان توڑنے پر اس کے باپ نے اسے کیسا پیٹا تھا۔ اسے اپنی پہلی بائیسکل یاد آئی جو اس کے باپ نے چھٹی جماعت پاس کرنے پر اسے تحفہ میں دی تھی اور جب وہ اساتذہ کے تربیتی کالج میں تھا تو اس نے محنت کرنے کی پہلی کوشش کی تھی۔ اسے ''تی ان'' یاد آئی اور بھی دوسری کئی باتیں اسے یاد آنے لگیں۔ اس نے اپنے خوف کے بارے میں سوچا اور اتنی شدت سے سوچا کہ خوف کے سوا وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں پا رہا تھا اور اس کا خوف بڑھتا رہا حتیٰ کہ وہ لرزنے لگا۔

اسے لان تریویلی کی ملٹری پولیس بیرکوں کے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچایا گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ وہاں اکیلا تھا۔ کوئی میز نہیں تھی۔ کوئی کرسی نہیں تھی۔ کوئی دیوان نہیں تھا۔ فرش پر کوئی دری نہیں تھی کھڑکی میں سلاخیں لگی تھیں۔ یہ عام سائز کی ایک کھڑکی تھی۔

اس میں صرف چار سلاخیں تھیں۔ ان میں سے وہ گہرے نیلے آسمان اور نرم سفید بادلوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اگر کھڑکی میں سلاخیں نہ ہوتیں تو یہ کمرہ دوسرے عام کمروں سے مختلف نہیں تھا اور پھر اس کا خوف۔ اس نے دروازے کے بند ہونے اور قفل میں چابی کے گھومنے کی آواز سنی۔ اب وہ یکہ و تنہا تھا۔

کمرے میں اس کی تنہائی نے اس کے خوف کے کتنے ہی بند کھول دیئے۔ یہ خوف جھاگ اڑاتا اور گرجتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ عیسیٰ گھبرا گیا۔ اس نے اس چوہے کی طرح محسوس کیا جو چوہے دان میں پھنس گیا ہو۔ کمرہ اس کا چوہے دان تھا اور وہ خود چوہا تھا۔

اسی لمحے قدیم وحشی انسان کا خوف اس کے اندر انتہا پر پہنچ گیا اور کمرے میں بھی دہشت پھیلانے لگا۔

مگر جب دو گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا اور اسے تفتیشی کمرے میں لے جایا گیا تو اس کے خوف کی انتہا گزر چکی تھی۔ اب گھر میں گرفتار ہوتے وقت کی کیفیت کی طرح وہ جس خوف کے بارے میں سوچتا رہا تھا، وہ حقیقی صورت حال کے مقابلے میں بہت بڑا تھا۔

بیرکوں کے وسط میں اسے ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔ دروازے پر دو پولیس والے کرخت چہرے لئے کھڑے تھے۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا اور خود کو نحیف و نزار محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل اس کے سینے کے ساتھ ٹکرا رہا تھا۔

کمرے میں ایک بھدی سی میز تھی اور اس کی پرلی طرف ایک باوردی شخص کندھوں پر کپتان کے نشانات لگائے بیٹھا تھا۔ میز پر خول سے نکلا ہوا ایک پستول، کاغذات کا ایک ڈھیر ایک دوات اور دو قلم رکھے تھے جو روشنائی کی وجہ سے سیاہ ہو رہے تھے۔ اس کے پیچھے ایک اور ملٹری پولیس کا جوان کھڑا تھا اور میز کے سامنے ایک کمزور سی کرسی رکھی تھی۔

اسے بیٹھنے کا حکم دیا گیا اور خوف سے لبریز دل کے ساتھ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

کپتان نے سر اٹھایا۔ وہ ابھی تک جوان تھا مگر اس کے چہرے کا تاثر بے رحمی کا تھا اور اس کے پتلے ہونٹ دو متوازی لکیروں کی طرح تھے۔ باکسنگ میں چوٹ لگنے سے اسکی ناک سوجی ہوئی تھی مگر وہ مضبوط لگتا تھا۔ عیسیٰ بیٹھ گیا تو کپتان نے چبھتی نظر سے اسے دیکھا اور عیسیٰ کا دل اور تیزی سے دھڑکنے لگا۔

MashalBooks.org

''کیا تمہی عیسیٰ ہو؟'' اس نے پوچھا۔ اس کی آواز کرخت اور تیز تھی۔

''جی ہاں جناب۔ میں ہی عیسیٰ ہوں''۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ کپتان کے ہونٹوں کی پتلی لکیر پر مسکراہٹ کی طرح کی کوئی چیز نمودار ہوئی۔ وہ عیسیٰ کے آواز کی لرزش سے محفوظ ہوا تھا۔

تب اس نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟''

عیسیٰ چکرا گیا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں گرفتار ہوا ہے لیکن اگر وہ تسلیم کرتا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے سب کچھ بتانا پڑے گا اور یوں وہ حاصل اور رحمت کے ساتھ غداری کرے گا؟ وہ گومگو میں تھا اور کپتان اس کی یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔

''ہم سب کچھ جانتے ہیں''۔ اس نے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز تیز اور دھمکی آمیز تھی۔ ''بہتر یہ ہے کہ تم اقبال کرلو۔ تمہارے گرفتار ساتھی نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

عیسیٰ کی گومگو اور خوف کی حالت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اگر وہ اقبال نہیں کرتا تو اسے ایذا پہنچا کر سچ کہہ ڈالنے پر مجبور کر دیا جائے گا اور اگر اقبال کرتا ہے تو کپتان نے جو کچھ کہا ہے، اگر وہ غلط ثابت ہوا تو اس کی حیثیت ایک غدار کی ہو جائے گی۔ وہ اقبال کرنے سے بھی اور غدار کہلانے سے بھی خوفزدہ تھا۔

اس نے کپتان کو بے بسی سے دیکھا۔ اس کی زبان اکڑ گئی تھی اور وہ ایک لفظ تک نہیں بول سکتا تھا۔ اس کے سینے کے اندر جیسے ایک بڑا سا ڈھول زور زور سے بجایا تھا..... بوم..... بوم..... بوم! اور یہ آواز بتدریج بلند ہو رہی تھی۔ تب سب کچھ سیاہ ہوگیا اور عیسیٰ غش کھا گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک اور کمرے میں تھا۔ وہ فرش پر پڑا تھا اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو جو پہلی چیز اسے نظر آئی وہ سلاخوں والی کھڑکی تھی۔ آسمان اسی طرح نہایت نیلا تھا اور بادل نہایت سفید تھے۔ تب اسے محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی اور بھی ہے۔ چند لمحے وہ بے حس و حرکت لیٹا رہا اور آنکھیں دوبارہ بند کرلیں۔ پھر اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اسے محسوس ہوا کہ دو ہاتھوں نے اس کے کندھوں کو سہارا دیا اور وہ

MashalBooks.org

حاضل کی آواز سن کر دم بخود رہ گیا۔

''عیسیٰ یہ میں ہوں۔''

وہ آواز کو بمشکل ہی پہچان سکا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا اور آہستہ سے سر کو جنبش دی۔

''حاضل!'' اس نے کہا۔ اس کی آواز میں خوشی کی لہر تھی۔ مگر جب اس نے حاضل کو دیکھا تو وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ کہہ نہ سکا۔ اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے۔

سامنے کے اوپر والے دو دانت غائب تھے۔ ماتھے پر ایک گہرا زخم خشک ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور کمزور تھا اور اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ تھیں۔

عیسیٰ حیرت زدہ رہ گیا اور دیر تک بول نہ سکا۔ بس وہ حاضل کو گھورتا رہا اور پھر خوفزدگی میں جیسے اپنے آپ سے پوچھا..... کیا انہوں نے تم پر تشدد کیا ہے؟

حاضل نے عیسیٰ کی نگاہوں سے بچنے کے لئے آنکھیں جھکا لیں۔ میں نے اسے دھوکا دیا، اس نے خود پر الزام دھرا۔ اب اسے اسی طرح کے عذاب کا سامنا ہے جس سے میں گزر رہا ہوں، کیونکہ میں بزدل تھا اور اذیت کو برداشت نہ کر سکا۔ حاضل نے اپنا سر اپنی چھاتی تک جھکا لیا۔ اس نے اپنی مردانگی کی ہتک کی تھی اور اس دوست کے سامنے شرمندہ تھا جسے اس نے دھوکا دیا تھا اور وہ ننھے بچے کی طرح سسک سسک کر رونے لگا۔ عیسیٰ اسے دیکھتا رہا آہستہ آہستہ..... بہت آہستہ آہستہ وہ سمجھ گیا جو حاضل اسے اپنی سسکیوں کے ذریعے بتا رہا تھا۔ ''میں نے فاش غلطی کی ہے میں بے وفا نکلا ہوں۔ میں ان کے تشدد کا مقابلہ نہ کر سکا..... تشدد کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اب مجھے مر جانا چاہیے، اب مجھے اپنے فریب کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ مجھے مر جانا چاہیے۔ مجھے معاف کر دو..... مجھے معاف کر دو'' وہ حاضل جو کٹر قسم کا جنگجو تھا اور جرأت مند تھا اور جوش و خروش سے بھرا رہتا تھا، گرفتاری کے ایک ہفتے کے اندر مار کھا کھا کر ایک ایسی مخلوق بن چکا تھا جس پر ترس آتا تھا، جو رو رہا تھا، معافی مانگ رہا تھا، اس حاضل کو اس حالت میں دیکھ کر عیسیٰ کے دل میں ایک عجیب احساس پیدا ہوا۔

وہ اندھی قوت جو حاضل جیسے آدمی کو برباد کر سکتی ہے، ایک بیہودہ قوت ہے..... ایک ایسی قوت ہے جس کے خلاف لڑنا چاہیے اور اس پر فتح پانی چاہیے مگر اس

نے اپنے آپ کو ایسی لڑائی لڑنے اور ایسی فتح پانے کے نا قابل سمجھا کہ وہ کمزور اور خوفزدہ تھا۔

پھر دروازہ کھلا اور کپتان جس نے کچھ دیر پہلے اس سے پوچھ گچھ کی تھی دو ملٹری پولیس والوں کے ہمراہ اندر آیا۔

اس نے کہا۔''تم ہوش میں آ گئے ہو؟''اس کی آواز نہیں بدلی تھی۔اسی طرح تیز، سخت اور یخ آواز تھی۔

''کیا تمہیں اس سے بات کرنے کا موقع ملا؟''اس نے پوچھا۔

عیسیٰ نے حاضل کو دیکھا جو اپنے ہی اندر سکڑا جا رہا تھا اور جیسے ان لوگوں سے دور ہٹنے کی کوشش میں تھا۔

کپتان نے کہا''اس نے ساری باتوں کا اقبال کر لیا ہے۔اس نے دوسرے آدمی کے ساتھ جس کا نام رحمت تھا، دستی بم پھینکا تھا اور تم شہر میں اس طرح کے قانون شکنوں کے لئے فنڈ کے انچارج ہو۔رحمت کہاں روپوش ہے؟ فنڈ کہاں چھپا رکھے ہیں؟ شہر میں دوسرے قانون شکن کون کون ہیں؟''اس کی آواز ڈھمکی کے انداز میں سخت اور بھاری ہو گئی تھی۔

عیسیٰ خوفزدہ ہو گیا۔اس کی زبان اکڑ گئی۔اس کے دل نے اسے حکم دیا کہ بولو اور اقبال کر لو.....جتنی جلدی ممکن ہو اقبال کر لو تا کہ حاضل کی طرح کی اذیت سے بچ سکو۔اس کے پورے وجود نے چیخ کر اسے کہا۔''انہیں فوراً بتا دو''مگر جب اس نے بولنے کے لئے منہ کھولا تو اس کی آواز نہ نکلی۔وہ اس درجہ خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اس کی پتلون بھیگ گئی۔

ملٹری پولیس والا گرجا۔''اٹھو''۔اس کے پورے وجود نے اسے کہا کہ اٹھ جاؤ۔مگر وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ایک احمق کی طرح اس نے فرش کو دیکھا.....گندہ، گرد بھرا فرش۔پھر اس نے ایک بڑے بوٹ کا اگلا سرا دیکھا.....پھر ایک اور بوٹ کا اگلا سرا۔عیسیٰ اتنا سکڑا کہ حرکت تک نہیں کر سکتا تھا۔خوف کے مارے وہ کراہ رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ بوٹ آہستہ سے اٹھا اور اس کے دائرہ بصارت سے غائب ہو گیا۔پھر اسے اپنے سینے سے کوئی بہت بڑی اور بھاری چیز ٹکراتی محسوس ہوئی۔اسے ایسا لگا جیسے اس کا سانس

اس کے پھیپھڑوں کے اندر سے کھینچ کر باہر دے مارا گیا ہے اور اس کی پسلیاں کچلی گئی ہیں۔اس کا دل کرب کے عالم میں چیخ اٹھا اور جب اسے دوسری ٹھوکر ماری گئی تو عیسیٰ نے صرف زور زور سے بجتے ہوئے ڈھول کی آواز سنی جو دو چار کر ڈوب گئی اور بے معنی ہو کر رہ گئی۔اس نے خود کو ڈوبتا ہوا تاریکی میں گھومتا ہوا محسوس کیا۔

حاضل کانپ رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ سپاہی فرش پر پڑے عیسیٰ کو ٹھوکر پر ٹھوکر مارے جا رہا ہے۔تب نوجوان کپتان نے کچھ کہا اور سپاہی رک گیا۔وہ کمرے سے نکل گئے اور دروازہ مقفل کر دیا گیا اور کانپتا ہوا زردرو حاضل اپنے ہاتھوں کو مروڑتا رہ گیا۔

اس کمرے میں ان دونوں کے لئے وقت جیسے رک سا گیا تھا۔پھر عیسیٰ نے آنکھیں کھولیں اور کراہنے لگا۔حاضل اسکے پاس گیا اور اسے اٹھ کر بیٹھ جانے میں مدد دینے کی کوشش کرنے لگا۔مگر عیسیٰ نے اس کے ہاتھ کو پرے ہٹا دیا اور ٹوٹی ہوئی بھاری آواز میں بولا۔''کوئی بات نہیں'' اور پھر کہا''میری مصنوعی بتیسی'' حاضل نے اس کی بتیسی جو فرش پر گر گئی تھی اٹھائی اور اسے دیدی۔

وہ وہاں لیٹا تھا اور اس کی آنکھیں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھیں۔آسمان ابھی تک بہت نیلا تھا اور بادلوں کا جمگھٹ نہایت سفید۔حاضل نے اس سے کہا۔''عیسیٰ۔ انہیں بتا دو۔وہ پھر آئیں گے۔''

عیسیٰ ابھی تک بولنے کے قابل نہیں تھا۔اس کے سینے میں سخت درد ہو رہا تھا۔ ''وہ پھر آئیں گے۔وہ پھر آئیں گے۔'' یہ الفاظ اس کے دماغ میں بار گونج رہے تھے۔ ''وہ پھر آئیں گے۔وہ پھر آئیں گے۔وہ پھر آئیں گے''..... دھمکی اور خوف سے بھرے ہوئے الفاظ!

اور وہ پھر آئے۔مگر جب بھی عیسیٰ نے اقبال کرنا چاہا،خوف سے اس کی زبان بند ہو گئی ضربوں کی بارش نے اسے بولنے کے قابل چھوڑا ہی نہیں تھا۔وہ پھر آئے رات کو اگلے دن۔پھر اگلی رات۔پھر اگلے دن اور پھر اگلی رات اور پھر وقت کا اندازہ کرنا ممکن ہو گیا۔

باہر آسمان زیادہ نیلا ہو رہا تھا اور بادل زیادہ سفید ہو رہے تھے۔عیسیٰ اور حاضل کو باری باری ٹھوکریں ماری گئیں اور پیٹا گیا اور عیسیٰ نے دیکھا کہ حاضل ایک

آدمی ..... ایک انسان ..... آخر کار بکھر گیا ہے۔ اذیت کے ڈر نے اور درد نے اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے اور خوف اس کی شخصیت پر مسلط ہو گیا ہے۔

حاضل نے سب کچھ بتا دیا تھا اسے بولنے پر مجبور کرنے کے لئے اس کے منہ پر ایک تھپڑ ہی کافی تھا۔

کمرے میں وقت کی گردش رک گئی تھی۔ پھر عیسیٰ کو اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس ہوئی۔ جسمانی درد سے اسے اب خوف نہیں آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وقفے وقفے سے اس پر تشدد ہوتا رہے گا اور اس کا درد بدستور موجود رہے گا۔ اس کے دل میں ایک عجیب سا جذبہ بیدار ہوا۔ اب وہ مار پیٹ یا اذیت سے خوفزدہ نہیں تھا۔ اس کی اقبال جرم کرنے کی خواہش غائب ہو گئی۔

اور پھر ہولے ہولے، کسی شعوری کوشش کے بغیر حاضل کو دیکھ کر اسے رحم آنے لگا اور رحم کے اس جذبے کے ساتھ ہی اسے اس اندھی قوت سے نفرت بھی محسوس ہوئی جو حاضل جیسے آدمی کو برباد کر سکتی ہے۔

جب کمرے میں حاضل کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا تو وہ اس سے بات کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا۔ ''میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔ تم نے جو کچھ کیا وہ میں خود بھی کرنا چاہتا تھا اور میں اپنے ذہن میں بہت پہلے کر بھی چکا ہوں مگر جب بھی میں نے اقبال جرم کرنا چاہا، ضربوں اور ٹھوکروں نے میرا بولنا ناممکن بنا دیا۔ میرا پورا وجود مجھے اقبال کرنے پر مجبور کرتا ہے پر میری زبان میں درد اور خوف گرہ لگا دیتے ہیں۔ مگر اب ہمیں ہتھیار نہیں ڈالنے چاہئیں۔ خوف کے ساتھ زندہ رہنے کا گر سیکھنا چاہیے۔'' عیسیٰ لمحہ بھر کے لئے رکا۔ اب اس کے سامنے ہر چیز واضح تھی جیسے روشنی کی ایک کرن نے اس کے دل کو منور کر دیا ہو۔ اب وہ جان گیا تھا۔ ہر شخص خوفزدہ ہے اور اس خوف کو چھپاتا ہے۔ ایک امیر آدمی اپنی املاک کے ضائع ہونے سے خوف کھاتا ہے۔ ایک لیڈر ڈرتا ہے کہ کوئی اس سے آگے بڑھ جائے گا۔ سلیم جنوں بھوتوں سے ڈرتا ہے۔ ہر شخص کا اپنا ڈر ہوتا ہے اور اسے اس ڈر کے ساتھ زندہ رہنا اور اس پر فتح پانا چاہیے۔

وہ اکھڑ سپاہی، جو اسے اذیتیں دیتے تھے، خوفزدہ تھے۔ ان کا خوف جتنا شدید ہوتا تھا، اتنے ہی وہ سفاکی پر اتر آتے تھے۔ مگر اس نے سوچا کہ وہ سب کچھ حاضل کو کیسے

سمجھائے۔

پھر اس نے حاضل کو اس کے اپنے الفاظ یاد دلانے کا سوچا مگر اس نے کچھ کہا نہیں کیونکہ حاضل نے جو کچھ بھی بیان کیا تھا، وہ اب اسی بیان کی عدالت میں کھڑا تھا۔ عیسیٰ کو حاضل کے الفاظ یاد آنے لگے۔ میں اپنے دوستوں کا اعتماد قائم رکھوں گا اور ان کا وفادار رہوں گا۔ کیا موسیقی ایک دوست کے ساتھ وفاداری سے زیادہ اہم ہے؟ یہ موسیقی ایک آدمی کی حیثیت میں انسانیت کا جدوجہد کا نغمہ ہے۔ انسانیت افراد کی صورت میں۔ کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟ میں کیسے وضاحت کروں؟ انسانیت کی جدوجہد..... ایک ریوڑ کی صورت میں نہیں، نہ شکار پر نکلے ہوئے بہت سے گیدڑوں کی بھونک، بلکہ زندگی کی جدوجہد کرنے والے ایک واحد گیدڑ کر کر بناک غراہٹ۔ میری نظر میں تو فرد خود ایک مقصد ہے وہ کوئی مقصد پانے کا ذریعہ نہیں ہے۔ انسانی مسرت ایک فرد کی دوسرے انسانوں کے ساتھ مکمل ہم آہنگی سے حاصل ہوتی ہے۔ مملکت محض ایک ذریعہ ہے اور فرد کو مملکت کا تابع نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ہے زندگی کی موسیقی۔ یہ ہے میری جدوجہد۔ یہ ہے وہ شاہراہ جس پر میں چل رہا ہوں..... ایک ایسی شاہراہ جس کا کوئی آخری سرا نہیں ہے۔ یہ ہے وہ انقلاب جو ہم نے آغاز کیا ہے۔ انقلاب صرف ذریعہ ہے حصول آزادی کا اور یہ خود آزادی ایک ذریعہ ہے..... انسانی زندگی کو مسرت اور شرافت سے بھرپور کرنے کا ذریعہ۔''

تب عیسیٰ کو احساس ہوا کہ اب حاضل کے لئے یہ سب کچھ بے معنی ہے اور وہ اس کے لئے دکھی ہو گیا..... حاضل کے لئے، جو جوان تھا اور جو دیوار سے ٹیک لگائے کمرے کے کونے میں خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں، گال پچک گئے تھے اور وہ پیلا ہو رہا تھا۔

اور یکا یک عیسیٰ نے سوچا کہ حاضل مر جائے گا..... اور یہ سوچ کر اسے شدید دکھ پہنچا۔

مگر ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے لئے ایک نئی شاہراہ کھل گئی ہے۔ حاضل نے جو کچھ کہا تھا اور اب اس کمرے میں اسے یاد آ رہا تھا، وہ سب اسی کے لئے تھا۔ اب اس نے اپنے اوپر فتح پا لی تھی۔ یہ بات نہیں کہ اب وہ خوف محسوس کر رہا تھا، بلکہ اس

MashalBooks.org

نے خوف کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ اب اسے خوف کے ساتھ زندہ رہنا آ گیا تھا۔

جب کسی صبح کو عیسیٰ جاگا..... کسی صبح کو، کیونکہ اس کمرے میں وقت اپنے معنی کھو بیٹھا تھا، جہاں وقت نے گزرنا چھوڑ دیا تھا اس صبح کو اس نے اپنی رگوں میں خون کو گرم اور توانا محسوس کیا، جو اس کے اعصاب تک سے گزر رہا تھا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ خوش ہے۔ اس کی شگفتگی واپس آ گئی تھی۔ وہ اچھلنا کودنا چاہتا تھا اور چیخ چیخ کر پوری دنیا کو خوشی کی نوید دینا چاہتا تھا۔ باہر آسمان اور زیادہ نیلا ہو گیا تھا اور بادل اور زیادہ سفید ہو گئے تھے۔ وہ کھڑکی کے سامنے سلاخوں کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے کھڑا تھا اور تب وقت متحرک ہو گیا اور زندگی کی حدت سے لبریز، آگے بڑھنے لگا۔

کمرے کے ایک کونے میں حاضل خوفناک خوابوں کے محاصرے میں پڑا کراہ رہا تھا۔

اور جب عیسیٰ نے ایک بار پھر کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ سنی تو وہ اپنے خوف کے ساتھ مطمئن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب ان کی سفاکی اسے چھو بھی نہیں سکتی تھی.....اب وہ آزاد تھا۔

☆☆☆

MashalBooks.org